جامعہ مدنیہ لاہور کا ترجمان

علمی دینی اور اصلاحی مجلہ

# انوارِ مدینہ لاہور

بیاد

عالمِ ربانی محدثِ کبیر حضرۃ مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ

بانی جامعہ مدنیہ

نگران

مولانا سید رشید میاں مدظلہ

مہتمم جامعہ مدنیہ، لاہور

محرم الحرام ۱۴۱۸ھ

مئی ۱۹۹۷ء

مُرسلہ شاہد اشرف صاحب

# اقوالِ زرّیں

۱ دو نعمتوں کی اکثر لوگ قدر نہیں کرتے۔ صحّت اور فارغ البالی۔

۲ دُنیا میں اس طرح رہو گویا تم پردیسی ہو یا راہ چلنے والے۔

۳ دوزخ شہوتوں سے ڈھکی ہے اور جنّت مصیبتوں سے۔

۴ قوی وہ نہیں جو پچھاڑ دے۔ قوی تو وہ ہے جو غصّہ میں اپنے اُوپر قابُو رکھّے۔

۵ اللہ کے نزدیک سب سے شریر وہ ہے جسے لوگ اس کی بدزبانی کی وجہ سے چھوڑ دیں۔

۶ عدل جو بھی کرے بہتر ہے، لیکن امیر کریں تو زیادہ بہتر ہے۔

۷ مرد شرم کریں تو اچھّا ہے، لیکن عورتیں کریں تو بہت اچھّا ہے۔

۸ جوان کا گناہ بھی بُرا ہے، لیکن بُوڑھے کا سخت بُرا ہے۔

۹ امیر تکبّر کریں تو بُرا ہے، لیکن غریب کریں تو بہت بُرا ہے۔

۱۰ زبان کو شکایت سے بند کرو، خوشی کی زندگی عطا ہو گی۔

۱۱ شُکر گزار مومن عافیت کے زیادہ قریب تر ہے۔

۱۲ پیغمبروں کی میراث علم ہے اور فرعون و قارون کی میراث مال ہے۔

۱۳ دین کی پابندی کرو اگرچہ تمہیں لوگ ملامت کریں۔

۱۴ دُنیا میں اس سے زیادہ سخت چیز کوئی نہیں کہ تمہاری کسی کے ساتھ دُشمنی ہو۔

۱۵ جو لوگ فقراء کی صحبت ترک کر کے امراء کی صحبت اختیار کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کو اندھا کر دیتا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم


ماہنامہ

# انوار مدینہ

جلد : ۵ — محرم الحرام ۱۴۱۸ھ ـ مئی ۱۹۹۷ء — شمارہ : ۸

مدیر

سید محمود میاں

مدرس و نائب مہتمم جامعہ مدنیہ لاہور



بدلِ اشتراک

پاکستان فی پرچہ ۱۰ روپے ـــــــ سالانہ ۱۱۰ روپے

سعودی عرب، متحدہ عرب امارات ـــ ″ ۴۵ ریال

بھارت، بنگلہ دیش ـــــــ ″ ۱۰ امریکی ڈالر

امریکہ افریقہ ـــــــ ″ ۱۶ ڈالر

برطانیہ ـــــــ ″ ۱۷ ڈالر

○ اس دائرہ میں سُرخ نشان اس بات کی علامت ہے کہ

ماہ . . . . سے آپ کی مُدتِ خریداری ختم ہوگئی ہے، آئندہ رسالہ

جاری رکھنے کے لیے مبلغ . . . . . ارسال فرمائیں۔

ترسیلِ زر و رابطہ کیلئے دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور

کوڈ ۵۴۰۰۰ فون ۷۷۲۴۳۷۳-۲۰۱۰۸۶

فیکس نمبر ۹۲-۴۲-۷۷۲۶۷۰۲

○

سید رشید میاں طابع و ناشر نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر

دفتر ماہنامہ "انوارِ مدینہ" جامعہ مدنیہ کریم پارک لاہور سے شائع کیا۔

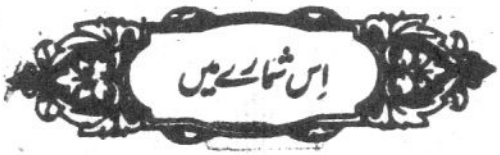

## اِس شمارے میں


| | | |
|---|---|---|
| سانحۂ منیٰ (اداریہ) | | ۳ |
| درسِ حدیث | حضرت مولانا سیّد حامد میاںؒ | ۸ |
| نعت شریف | حضرت سیّد نفیس الحسینی شاہ صاحب | ۱۲ |
| مقاصدِ شریعت | حضرت مولانا قاری محمدؒ طیبؒ | ۱۳ |
| اصحابِ رسولؐ (نظم) | حافظ نورُ محمد انور صاحب | ۲۳ |
| سواد تحریر شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ | | ۲۴ |
| محقق و متبع سُنّت عالم | قاری قیام الدین صاحب | ۲۶ |
| حیلے اور بہانے | حضرت مولانا عاشق الٰہی بلندشہری | ۳۵ |
| حجاب | بنتِ حامد بن محمدؐ | ۴۱ |
| صبر و صلوٰۃ | بنتِ مولانا یعقوب صاحب | ۴۳ |
| فاذکرونی (نظم) | جناب سیّد امین گیلانی صاحب | ۴۷ |
| دارالافتاء | جناب مولانا ڈاکٹر عبدالواحد صاحب | ۴۸ |
| حاصلِ مطالعہ | مولانا نعیم الدّین صاحب | ۵۸ |

رابطہ: دفتر کراچی

حضرت مولانا قاری شریف احمد صاحب مدظلہٗ، خطیب جامع مسجد سٹی اسٹیشن کراچی

انڈیا میں رابطے کے لیے

حضرت مولانا سیّد رشید الدّین صاحب حمیدی مدظلہ العالی، مہتمم مدرسہ شاہی مرادآباد یو۔پی۔انڈیا

# سانحۂ منیٰ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

"حج" ارکانِ اسلام میں سے ایک اہم رُکن ہے جو عشقِ الٰہی کا مظہرِ اَتم اور تقرّب اِلَی اللہ کا بہترین ذریعہ ہے، جناب نبی کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کا ارشاد گرامی ہے۔

"اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَہٗ جَزَآءٌ اِلَّا الْجَنَّۃُ" [1] (بارگاہِ خداوندی میں) قبول ہوجانے والے حج کا بدلہ تو جنّت ہی ہے۔

عالمِ اسلام سے ہر سال لاکھوں کی تعداد میں فرزندانِ توحید حج کی ادائیگی کے لیے مکّہ مکرّمہ پہنچتے ہیں اور فریضۂ حج کی ادائیگی سے اپنے قلب وجگر کو سکون اور ایمان وایقان کو جلا بخشتے ہیں۔

سعودی حکومت قابلِ ستائش ہے کہ وہ مہمانانِ خدا ورسول صلّی اللہ علیہ وسلّم کے لیے ہر ممکن راحت رسانی اور سہولیات فراہم کرنے میں بھرپور کوشش کرتی ہے۔

سعودی حکومت کی اس تمام تر سعی وکوشش کے باوجود گزشتہ چند سالوں سے دیکھنے میں آرہا ہے کہ حرمِ کعبہ کے اِرد گرد حُجّاجِ کرام کے ساتھ انتہائی تسلسل سے بڑے بڑے حادثات پیش آرہے ہیں جن کی وجہ سے اُمّتِ مسلمہ میں تشویش کی لہر دوڑ رہی ہے، بالخصوص اِس سال منیٰ میں آتشزدگی کا جو سانحہ پیش آیا ہے اس نے تو مسلمانانِ عالم کو ہلا کر رکھ دیا ہے، اس حادثہ میں سینکڑوں کی تعداد میں مسلمان جاں بحق ہوئے ہیں اور ہزاروں افراد زخمی ولا پتہ ہیں۔

اس حادثۂ فاجعہ کی وجہ سے ہر دردمند دل متأثّر اور ہر آنکھ پُرنم ہوتی ہے۔

اس حادثہ میں جاں بحق ہونے والے افراد کے بارے میں ہمیں اُمّید ہے کہ اُنھوں نے مرتبۂ شہادت پالیا ہوگا اور اپنے خدا کے حضور سرخرو ہوگئے ہوں گے، احادیث مُبارکہ میں ایسے افراد کے لیے بہت سی

---

[1] بخاری ومسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۲۱

بشارتیں دی گئی ہیں۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

"اُس شہادت کے علاوہ جو خُدا کی راہ میں ہو شہادت کی اور بھی سات قسمیں ہیں (۱) جو شخص طاعون میں مرجائے شہید ہے (۲) جو شخص ڈُوب کر مرجائے شہید ہے (۳) جو شخص ذَاتُ الْجَنْبِ (ایک بیماری) میں مرجائے شہید ہے۔ (۴) جو شخص پیٹ کی بیماری (اسہال وغیرہ) میں مرجائے شہید ہے (۵) جو شخص جل جانے کی وجہ سے مرجائے شہید ہے (۶) جو شخص دیوار وغیرہ کے نیچے دَب کر مرجائے شہید ہے۔ (۷) اور وہ عورت جو بچے کی ولادت میں مرجائے شہید ہے۔"[1]

دورانِ حج فوت ہو جانے والے شخص کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں

"جو شخص حج کے لیے جائے اور راستے میں انتقال کر جائے اُس کے لیے قیامت تک حج کا ثواب لکھا جائے گا۔"[2]

ایک حدیث شریف میں حضرت عبداللہ بن عبّاس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں

"ایک شخص سفرِ حج کے دوران آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا اُس کی اُونٹنی نے اُس کو گرا دیا اور اُس کی گردن توڑ دی وہ شخص مُحرِم تھا (یعنی حج کے ارادے سے احرام باندھے ہُوئے تھا) اسی حال میں وہ مر گیا رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اسے پانی اور بیری کے پتوں سے نہلاؤ اور اِسے اس کے دونوں کپڑوں میں کفناؤ، نہ اسے خوشبو لگاؤ اور نہ اس کا سَر ڈھانپو، کیونکہ یہ قیامت کے دن تلبیہ کہتے ہُوئے اُٹھایا جائے گا۔"[3]

اِن احادیث مبارکہ میں جہاں جاں بحق ہو جانے والے حُجّاجِ کرام کے لیے نوید و بشارت ہے وہیں

---

[1] موطا امام مالک، ابو داؤد، نسائی بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۳۶ [2] الترغیب والترہیب ج ۲ ص ۷۹

[3] بخاری و مسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص ۱۴۳

اُن کے لواحقین و ورثاء کے لیے صبر و تسلّی کا سامان بھی ہے، بایں ہمہ ہر شخص کے دل میں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر اِن حادثات کے اسباب کیا ہیں؟ اور کیا اِن سے بچاؤ کی کوئی ٹھوس تدبیر نہیں ہوسکتی؟ یہ سوال پیدا ہونا ایک فطری اَمر ہے، کیونکہ یہ دُنیا دار الاسباب ہے اور یہاں کا ہر کام اسباب سے مربوط ہے ظاہر بات ہے کہ اِن پیش آنے والے حادثات کے پسِ پردہ بھی ضرور اسباب ہوں گے۔ عام طور پر حُجّاج کی بے احتیاطی کو اِن کا سبب گردانا جاتا ہے کہ وہ خیموں میں کھانے پکانے کی علیٰحدہ جگہ فراہم ہونے کے باوجود اپنی جگہ پر آگ جلاتے ہیں جو بسا اوقات آتشزدگی کا سبب بن جاتی ہے، ایک حد تک یہ بات اپنی جگہ صحیح ہے، لیکن اِکّا دُکّا ایسے واقعات اتنے بڑے حادثہ کا عموماً سبب نہیں بنا کرتے، اس لیے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ ان حادثات کے پسِ پردہ کچھ خاص عوامل ہیں جو ان بڑے حادثات کا سبب بنتے ہیں، ہمیں اِن خاص عوامل کا جائزہ لینا چاہیے۔ راقم الحروف کے ذہن میں چند عوامل آتے ہیں۔ ممکن ہے یہ اِن حادثات کا اصل سبب بنتے ہوں۔

۱۔ مسلسل یہ بات دیکھنے میں آرہی ہے کہ بہت سے حجاجِ کرام اپنے ملک میں رہتے ہوئے مسلمان بھائیوں پر ظلم و تشدد کو رَوا رکھتے ہیں، اُن کے جائز حقوق ادا کرنے کے بجائے اُن سے نہایت ظالمانہ سلوک برتتے ہیں۔ رشوتیں لینا سود کھانا اور قتلِ ناحق جیسے جرائم کا ارتکاب کرنا اُن کے نزدیک معمولی بات ہے، اِن کے مسلمان بھائی چاہے ظلم کی چکیوں میں پس رہے ہوں اور فاقوں مر رہے ہوں یہ لوگ ہر سال بلا ناغہ حج کرنے چلے جاتے ہیں پھر یہ نہیں کہ وہاں جاکر اللہ کے حضور میں توبہ تِلّا کریں واپس آکر اس سے زیادہ مظالم ڈھانے لگتے ہیں۔ بہت ممکن ہے اِن لوگوں کی نحوست سے غضب خداوندی قہر کی شکل میں نازل ہو جاتا ہو اور اِن کے ساتھ دوسرے بھی اس کا شکار ہو جاتے ہوں ایسی صورت میں جب تک یہ لوگ ظلم و ستم سے باز نہیں آتے اور صدقِ دِل سے توبہ استغفار نہیں کرتے۔ حادثات کا یہ سلسلہ ختم نہیں ہو سکتا۔

۲۔ حج جیسی مقدس عبادت جو ہزاروں حکمتوں اور عظمتوں سے پُر ہے اس کی عظمت و حرمت کو قائم رکھنے کے لیے پُورے عالَم اسلام بالخصوص حجاجِ کرام کو ظاہری و معنوی آداب کا پابند بنایا گیا ہے ارضِ حرم کی عظمت و حرمت تمام مسلمانوں سے ان آداب و احترامات کا تقاضا کرتی ہے مگر دیکھا جائے تو بظاہر حجاج کی تعداد میں جتنا اضافہ ہوتا جارہا ہے اُتنی ہی حج و زیارت کے حدود

و آداب کی پاسداری سے پہلوتہی کی جارہی ہے، نہ آداب کا اکثریت کو علم، نہ تقدس ملحوظِ خاطر نہ احکام سے آگاہی نہ منکرات سے گریز وہاں جاکر حجاج کرام میں واضح تبدیلی آنے کے بجائے وہی صورت حال قائم رہتی ہے جو اپنے ملک میں تھی۔ ایسی صورت میں ان حادثات کا پیش آنا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجاج کرام کے لیے بہت بڑی تنبیہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو بدعملیوں سے نکال کر اپنی زندگی کو خالص اسلامی زندگی کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔

۳۔ ان حادثات کے پیشِ آنے کے متعلق ایک رائے یہ بھی ہے کہ جب سے سعودی عرب میں استعماری طاقتوں نے پنجے گاڑے ہیں اُس وقت سے یہ حادثات تسلسل کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔ سعودی حکومت کو چاہیے کہ اپنے آپ کو ان استعماری قوتوں کا آلہ کار بننے سے بچائے اور اِن ظالموں کو اپنے حدودِ حکومت سے نکال باہر کرے تاکہ ان کی نحوست سے پیش آنے والے حادثات کا تدارک ہو سکے۔

منیٰ کے موجودہ حادثہ کے متعلق اس خدشے کا اظہار بھی کیا جارہا ہے کہ یہ حادثہ تخریب کاری کی وجہ سے پیش آیا ہے، اِس خدشے کو اُن خبروں سے تقویت ملتی ہے جو روزنامہ "پاکستان" ۲۲ اپریل کے شمارے میں صفحۂ اوّل پر شہ سرخیوں سے چھپی ہیں جن میں سے ایک سُرخی یہ ہے۔

"سانحہ منیٰ دہشت گردی تھی۔ چار سعودی باشندے گرفتار"

دوسری سُرخی یہ ہے۔

"قیامت کا منظر تھا، کچھ نہیں بچا، اُوپر سے کوئی چیز گری پھر آگ لگ گئی"

اگر روزنامہ پاکستان کی یہ خبریں صحیح ہیں اور اس حادثہ کا سبب دہشت گردی ہی ہے تو ہمارے خیال میں ہو سکتا ہے یہ اُس ایکشن کا ری ایکشن ہو جو ایک ماہ پیشتر حکومتِ پاکستان نے پشاور میں عربوں کی بستی میں کیا تھا جس میں دیگر مجاہدین سمیت چار سعودی مجاہدین زندہ جلا دیے گئے تھے ایسی صورت میں حکومت کو ہوش کے ناخن لینے چاہییں اور ہر ایسے اقدام سے گریز کرنا چاہیے جو مسلمانوں کی سلامتی کے لیے کسی بھی مقام پر خطرہ کا باعث بن سکے۔

بہت بڑا المیہ ہے کہ ہمارے ہاں حادثات کے پیش آجانے کے بعد اُن کے عوامل جاننے اور عواقب پر نظر کرنے کے بجائے ہمارے ذرائع ابلاغ عام لوگوں کو فضول بحثوں میں اُلجھا دیتے ہیں، چنانچہ منیٰ میں آتشزدگی کے واقعہ پر ہمارے اخبارات میں یہ بحث شروع ہو گئی کہ منیٰ میں جانا ضروری ہے یا نہیں کچھ لوگوں کے بیان شائع

ہوئے کہ وہاں جانا ضروری ہی نہیں ہے۔ لہٰذا ان حادثات سے بچنے کے لیے حجاج کو مکہ مکرمہ سے سیدھے عرفات چلے جانا چاہیے۔ بعض کا کہنا ہے کہ منیٰ جانا ضروری ہے وغیرہ وغیرہ۔ اصل بات یہ ہے کہ منیٰ میں ان ایام میں ٹھہرنا سُنّتِ مؤکدہ ہے جس پہ دورِ رسالت سے لے کر تا حال عمل ہو رہا ہے۔ اسے بلا ضرورتِ شرعیہ ترک کرنا جائز نہیں۔ لہٰذا اس سُنّت کو چھوڑنے کا مشورہ دینے کے بجائے اُن اسباب کے ختم کرنے کا مشورہ دینا چاہیے جو ان حادثات کا سبب بنتے ہیں۔

الغرض منیٰ میں آتشزدگی کا جو واقعہ پیش آیا ہے اور اس سے جو جانی و مالی نقصان ہوا ہے اُس کے پیشِ نظر سعودی حکومت کو چاہیے کہ آئندہ ایسے حادثات کے تدارک کے لیے اچھے سے اچھے اقدامات کرے اور جو حجاج اس حادثہ میں شہید یا زخمی و لاپتہ ہوئے ہیں ان کے لواحقین کو معاوضہ ادا کرے، حکومتِ پاکستان کو چاہیے کہ وہ اوّلاً تو حجاج کرام کے حج پر جانے سے پیشتر اُن کی تربیت اور حادثات سے بچاؤ کی تعلیم کا بندوبست کرے۔ نیز اس حادثہ کی وجہ سے جن حجاج کا حج رہ گیا ہے آئندہ سال اپنے خرچے پر اُن کے حج کا انتظام کرے۔

نعیم الدین

"انوارِ مدینہ" میں

اشتہار

دے کر اپنی تجارت کو فروغ دیجئے

مولای صل وسلم دائما ابدا　　علی حبیبک خیر الخلق کلھم

# درسِ حدیث

استاذ العلماء شیخ الحدیث حضرت مولانا سید حامد میاں رحمہ اللہ کے زیرِ اہتمام ہر اتوار کو نمازِ مغرب کے بعد جامعہ مدنیہ میں "مجلسِ ذکر" منعقد ہوتی تھی۔ ذکر سے فارغ ہو کر حضرت رحمہ اللہ حدیث شریف کا درس بھی دیا کرتے تھے۔ ذکر و بیان کی یہ مبارک اور رُوح پرور محفل کس قدر جاذب و پُرکشش ہوتی تھی الفاظ اس کی تعبیر سے قاصر ہیں۔
محترم الحاج محمود احمد عارف رح کی خواہش و فرمائش پر عزیز بھائی شاہد صاحب سلمہٗ نے حضرت شیخ الحدیث قدس سرہٗ کے بہت سے دروس ٹیپ ریکارڈر کے ذریعہ محفوظ کر لیے تھے اور پھر دروس والی تمام کیسٹیں اُنہوں نے مولانا سید محمود میاں صاحب کو عطا کر دیں۔
ہماری دُعا ہے کہ جن کی مہربانی، توجّہ اور سعی سے یہ انمول علمی جواہر ریزے ہمارے ہاتھ لگے، حق تعالیٰ اُن سب کو بیش از بیش اَجر سے نوازے۔ ہم انشاءاللہ تعالیٰ یہ قیمتی لؤلؤ لالا "انوارِ مدینہ" کے ذریعہ حضرت رحمہ اللہ کے مریدین و احباب تک قسط وار پہنچاتے رہیں گے۔
واضح رہے کہ حضرت کے خلفِ اکبر اور جانشین حضرت مولانا سیّد رشید میاں صاحب کے زیرِ اہتمام ذکر و درس کا یہ سلسلہ بفضلہٖ تعالیٰ اَب بھی جاری ہے۔

ہنوز آں ابرِ رحمت درفشان است　　خم و خمخانہ با مہر و نشان است

کیسٹ نمبر ۱۶ سائیڈ اے ۱۵ اکتوبر ۱۹۸۲ء

الحمد للہ رب العلمین والصلٰوۃ والسلام علی خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

اما بعد! عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَقَلْبِہٖ رواہ الترمذی، وَفِیْ رِوَایَۃِ اَبِیْ دَاوٗدَ عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ وَضَعَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ یَقُوْلُ بِہٖ وَعَنْ عَلِیٍّ قَالَ مَا کُنَّا نُبْعِدُ اَنَّ السَّکِیْنَۃَ تَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ رواہ البیھقی وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَللّٰھُمَّ اَعِزَّ الْاِسْلَامَ بِاَبِیْ جَھْلِ بْنِ ھِشَامٍ اَوْ بِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ فَاَصْبَحَ عُمَرُ فَغَدَا عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَسْلَمَ ثُمَّ صَلّٰی فِی الْمَسْجِدِ ظَاھِرًا رواہ احمد والترمذی وَعَنْ عُقْبَۃَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَوْ کَانَ بَعْدِیْ نَبِیٌّ لَکَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ۔[1]

---

[1] مشکوٰۃ شریف ص ۵۵۷

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اللہ تعالیٰ نے عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر اور اُن کے قلب میں حق و صداقت جاری فرما دیا ہے۔ اور ابو داؤد کی روایت میں جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے یوں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر حق رکھ دیا ہے۔ اسی لیے وہ حق بات کہتے ہیں۔ (حق کے علاوہ اور کوئی بات اُن کے مُنہ سے نہیں نکلتی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ فرماتے ہیں ہم (اہلِ بیت یا جماعت صحابہ) اس بات کو بعید نہیں جانتے تھے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان پر سکینت و طمانیت جاری ہوتی ہے اور حضرت ابن عبّاس رضی اللہ عنہما نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک رات) آپ نے دُعا فرمائی: الٰہی! ابوجہل بن ہشام یا عمر بن الخطاب کے ذریعہ اسلام کو سربلند و غالب کر دے۔ (یعنی ان دونوں میں سے کسی ایک کو مُسلمان بننے کی توفیق عطا فرما دے تاکہ اُن کے سبب دینِ اسلام کو طاقت نصیب ہو) چنانچہ اگلے ہی دن جب صبح ہوئی تو عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نبیٔ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مُسلمان ہو گئے اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد حرام میں اعلانیہ نماز پڑھی اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اگر میرے بعد کوئی اور نبی ہوتا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہوتے۔"

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف میں فرمایا کہ اِنَّ اللّٰہَ جَعَلَ الْحَقَّ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ وَ قَلْبِہٖ اللہ تعالیٰ نے حق کو جاری کر دیا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان اور اُن کے دِل پر، دِل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق باتیں آتی ہیں اور زبان سے وُہی باتیں نکلتی ہیں جو حق ہوں۔ دُرست ہوں اور صحیح ہوں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جو چوتھے خلیفہ ہیں عشرہ مبشرہ میں سے ہیں وہ فرماتے ہیں۔ "مَا کُنَّا نُبْعِدُ اَنَّ السَّکِیْنَۃَ یَنْطِقُ عَلٰی لِسَانِ عُمَرَ" ہمیں اس بات میں کوئی بُعد نہیں معلوم ہوتا ہے کہ سکینہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکلتا تھا۔ اُن کی زبانِ مُبارک سے جو کلمات نکلتے تھے۔ وہ قلبی سکون کا

باعث بنتے تھے، گویا سکینہ جو خُدا کا ایک انعام ہوتا ہے کہ دلوں پر سکون اور راحت کی کیفیت پیدا ہو جائے اُس کا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ پریشانی اگر پیش آئے تو اُس کا اثر اُس انسان کے قلب پر نہیں محسوس ہوتا، کم محسوس ہوتا ہے۔ یہ اُس کے فوائد میں سے ہے، تو ہمیں یہ کوئی بعید نہیں معلوم ہوتا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبانِ مُبارک سے جو کلمات ادا ہوتے تھے۔ وہ ایسے ہوتے تھے کہ ان کلمات کے ساتھ ساتھ دِلوں میں سکون نازل ہوتا چلا جاتا تھا اُترتا چلا جاتا تھا۔ جیسے کہ سکینہ نازل ہو رہا ہو خدا کی طرف سے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہی فضائل میں یہ آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ تو اسلام کو غلبہ نصیب فرما، عزّت یعنی غلبہ عطا فرما یا ابوجہل سے یعنی عمرو بن ہشام سے اس کا نام عمرو تھا اور یا عمر بن الخطاب سے ان دو میں سے ایک آدمی ایسا ہو جائے کہ اسلام قبول کرلے تاکہ اسلام کو جو ضرورت ہے اس وقت وہ فائدہ حاصل ہو جائے، یہ دُعا فرمائی تو اگلے ہی دن حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ آگئے اور مسلمان ہو گئے اور پھر مُسلمانوں نے اپنے اندر قوّت محسوس کی ایک، اس قسم کی قوت محسوس کی کہ مسجد میں نماز پڑھی ظاہراً کھُل کر، خدا کی عبادت چھُپ کر کی جا سکتی تھی سامنے کی نہیں جا سکتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے اسلام کے بعد ایک دفعہ تو اتنا جوش پیدا ہو گیا اور اتنا زور پیدا ہُوا کہ مسجدِ حرام میں ــــ جا کر نماز ادا کی ان حضرات نے، بعد میں پھر الگ بات ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہی شہید کرنے کے درپے ہو گئے لوگ اور کافی تکالیف پہنچائیں پریشانیاں ہوئیں وہ الگ چیز ہے، لیکن ویسے یہ ہُوا ضرور تھا اس طرح سے۔

انہی احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ لَوْ كَانَ بَعْدِي نَبِيٌّ لَكَانَ عُمَرُ ابْنُ الْخَطَّابِ اگر میرے بعد کوئی نبی آنا ہوتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں فرمایا کہ یہ ہوتے، ان میں وہ صلاحیتیں موجود ہیں، لیکن میرے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں ہے اور نہ ہی ضرورت ہے کیونکہ پچھلی اُمّتوں کا معاملہ تو یہ تھا کہ ان کی تعلیمات انبیاء کرام پر جو اُتاری گئی تھیں کتابیں وہ محفوظ بھی نہیں رہی تھیں اور ان میں احکام بھی ایسے تھے جو وقتی زیادہ ہوں، اور اس اُمّت کے لیے جو تعلیمات دی گئیں جیسے قرآن پاک ہے یا احادیث ہیں وہ ساری کی ساری محفوظ ہیں بالکل اُسی طرح جس طرح اُتریں کوئی آدمی کسی بھی جگہ سے ریڈیو کھول دے اور قرآن پاک کی تلاوت

سُنے کسی بھی مُلک سے تو وہی ہوگا جو یہاں ہے اس میں ایک حرف کا فرق نہیں ہوگا۔ لفظ تو بڑی چیز ہے واؤ اور فاء کا بھی فرق نہیں ہے تو وہ تعلیمات ساری کی ساری محفوظ ہیں ہمیشہ کے لیے آج تک چلی آرہی ہیں۔ تعلیمات بھی، عبادات بھی اعتقادات بھی تمام چیزیں یکساں ہیں ضروری ہیں اور علمی ہیں سب چیزیں جن میں استنباط ہوسکتا ہے۔ یہ گنجائش ہے ضرورت کے مطابق مسائل کے لیے غور و فکر کر کے مسائل نکالے جاسکتے ہیں یہ اس اسلام کی تعلیمات میں فضیلت رکھی گئی ہے گویا کہ آگے نبی کے آنے کے لیے جس لیے ضرورت ہُوا کرتی تھی وہ ضرورت ہی نہیں رہی تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی تو کوئی آنے والا ہے نہیں لیکن اس طرح کی استعداد اور صلاحیت اگر کسی شخص میں تھی مسلمانوں میں اور صحابہ کرام میں تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ ان لوگوں میں سے کہ جن میں یہ استعداد اور صلاحیت ہے۔ یہ ان کی تعریف کے کلمات ہیں جو ان کے بارے میں مختلف احادیث میں آئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو آخرت میں اُن کا ساتھ نصیب فرمائے (آمین)

## مقالہ نگار حضرات سے چند گزارشات

ادارہ انوارِ مدینہ کو مقالہ نگار حضرات کی جانب سے بہت سے مقالات و مضامین موصول ہوتے ہیں جن کے ساتھ اُنھیں رسالہ میں جلد چھاپنے کا تقاضا بھی ہوتا ہے، لیکن جب اُن مضامین و مقالات کو چھاپنے کی غرض سے چیک کیا جاتا ہے تو اکثر مضامین ناقابلِ اشاعت نکلتے ہیں۔ اس سلسلے میں مقالہ نگار حضرات کی خدمت میں چند گزارشات پیش کی جارہی ہیں تاکہ وہ ان پر عمل پیرا ہوکر مضامین و مقالات لکھیں اور اس طرح ان کے مضامین قابلِ اشاعت ہوسکیں۔

۱۔ مقالہ کسی بھی عنوان سے متعلق تحقیقی مواد پر مشتمل ہونا چاہیے۔ لفاظی کی ضرورت نہیں۔

۲۔ مقالہ میں درج قرآنی آیات اور احادیث مُبارکہ پر اعراب لگانا چاہیے تاکہ قارئین کو پڑھنے میں سہولت ہو۔

۳۔ مقالہ میں درج احادیث مُبارکہ اور اقوال وغیرہ کا باقاعدہ حوالہ ہونا چاہیے تاکہ مضمون تحقیقی اور مدلّل بن سکے۔

۴۔ عبارت صاف و شستہ ہونی چاہیے۔

۵۔ تحریر بڑے صفحے کی ایک طرف لکھی جائے اور دوسری طرف خالی چھوڑی جائے

۶۔ آخر میں مقالہ نگار اپنا نام اور پتہ درج فرمائیں۔

جو مضامین و مقالات مندرجہ بالا گزارشات پر عمل کر کے لکھے جائیں گے وہی قابلِ اشاعت ہوں گے۔ (ادارہ)

باسمہٖ تعالیٰ

# نعتِ شریف

لب پر درود ، دل میں خیالِ رسولؐ ہے
اب میں ہوں اور کیفِ وصالِ رسولؐ ہے

دائم بہارِ گلشنِ آلِ رسولؐ ہے
سینچا گیا لہو سے نہالِ رسولؐ ہے

بوبکرؓ ہوں ، عمرؓ ہوں ، وہ عثمانؓ ہوں یا علیؓ
چاروں سے آشکار کمالِ رسولؐ ہے

حسنِ حسنؓ کو دیکھ حسینِؓ حسیں کو دیکھ
دونوں میں جلوہ ریز جمالِ رسولؐ ہے

اسلام نے غلام کو بخشی ہیں عظمتیں
سردارِ مؤمنین ، بلالِؓ رسولؐ ہے

ہاں نقشِ پائے ختمِ رسل میرا تخت ہے
ہاں میرے سر کا تاج، نعالِ رسولؐ ہے

جامِ جم اُس کے سامنے کیا چیز ہے نفیس
جس کو نصیب جامِ سفالِ رسولؐ ہے

نفیس الحسینی
شوال المکرم ۱۴۱۷ھ

(قسط ۲)

# مقاصدِ شریعت

حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
تبویب و تزئین : مولانا نعیم الدین صاحب فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ لاہور

## چلنے میں نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان

حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان فرمائی گئی کہ "کَانَ یَمْشِیْ تَقَلُّعًا" آپ چلتے تھے زمین پر اس طرح سے اتنی قوّت سے کہ جیسے زمین کو کھود ڈالیں گے اس قوّت سے پیر پڑتا تھا، اور ساتھ میں تواضع اور انتہائی خاکساری اور نرمی بھی چال میں ہوتی تھی تو قوّت بھی ملی ہوئی ہو اور قوّت کے ساتھ تواضع بھی ملی ہوئی ہو۔ قوّت میں اگر کبر آگیا تو تکبّر کی چال ہے اور اگر کمزوری آگئی تو وہ ضعیفوں کی چال ہے اور دونوں چالوں سے روکا گیا۔ وَاقْصِدْ فِیْ مَشْیِكَ تو چال کے اندر بھی میانہ روی بتلائی گئی۔ اسی طرح سے قال کے اندر، بولے آدمی تو تحکّمانہ لب ولہجہ نہ ہو کہ جیسے کوئی حاکم بول رہا ہے۔ بلکہ مصالحانہ رویہ برادرانہ رویّہ بھائی بندی اور ملنساری کی آواز نکلنی چاہیے اس میں حاکمانہ متکبرانہ شان نہ ہونی چاہیے تو جیسے ل میں تکبّر بُرا سمجھا گیا ہے قال میں اور بولنے میں بھی تکبّر بُرا سمجھا گیا ہے۔ اسی طرح سے آدمی کے حال میں اور تمام چیزوں میں کبر نہ ہونا چاہیے تبھی آدمی کی بندگی صحیح ہوگی۔

## ایک شُبہہ کا جواب

یہاں ایک طالب علمانہ شُبہہ ممکن ہے کسی کو پیدا ہو کہ قرآنِ کریم سے اور احادیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کی صفات اختیار کرو اس کے کمالات کو اپنے اندر سمونے کی کوشش کرو "تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ" اللہ کے

اخلاق اپنے اندر پیدا کرو رحمت اور کرم دوسرے کے اُوپر عطا اور جود اور احسان اور علم یہ تمام چیزیں حق تعالیٰ کی صفات ہیں۔ یہ اپنے اندر پیدا کرو۔ اللہ کی صفت تکبّر بھی تو ہے، قرآن کریم میں فرمایا گیا۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ تو یہ تکبّر بھی اختیار کرنا چاہیے اس لیے کہ جب اللہ کے اخلاق اختیار کرو گے رحم اور کرم اور کریمی تو پھر متکبّر بننے میں کیا حرج ہے بلکہ بننا چاہیے متکبّر، تو یہاں جو فرمایا جا رہا ہے کہ تکبّر ذرّہ برابر ہوگا تو جنتی نہیں وہ شخص اور یہاں ضرورت معلوم ہوتی ہے کہ متکبّر بنے آدمی تکبّر اللہ کی شان ہے بڑا بول بولنا اس کا ہی مقام ہے تو ہم بھی خوب بڑے بول بولیں اور خوب تحکمانہ کلام کیا کریں۔ یہ ایک شُبہہ پیدا ہوتا ہے اِس حدیث کی رو سے۔

## تکبّر بُرا نہیں جھوٹ بولنا بُرا ہے

اس کا جواب یہ ہے کہ تکبّر بُری چیز نہیں ہے، تکبّر تو اعلیٰ ترین صفت ہے جو اللہ کی شان ہے کون کہہ سکتا ہے تکبّر کو بُرا، پھر کیوں روکا گیا ہے تکبّر سے؟ اس لیے نہیں روکا گیا کہ تکبّر بُری چیز ہے تکبّر بہترین چیز ہے، مگر جھوٹ بولنا بُری چیز ہے۔ جھوٹ سے روکا گیا ہے اس لیے کہ اللہ کے سوا جو یُوں کہے گا کہ مَیں بڑا ہوں وہ جھوٹا ہے۔ سچّا اللہ ہی ہے جو کہے کہ مَیں بڑا ہوں مجھ سے بڑا کوئی نہیں جو انسان یہ کہے گا کہ مَیں بڑا ہوں وہ جھوٹ بول رہا ہے تو جھوٹ بولنا بُری بات ہے تکبّر کرنا تو بُری بات نہیں خدا کے سوا جو متکبّر بنے گا جھوٹا ہوگا تو جھوٹ بولنا انسان کی شان کے خلاف ہے اس لیے فرمایا گیا کہ تکبّر مت اختیار کرو۔ جھوٹے مت بنو تکبّر اسی کے لیے زیبا ہے اور بڑائی اسی کے واسطے ہے۔ وَلَهُ الْكِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ تو عبدیت اختیار کرو، اب ہر چیز میں عبدیت آئے گی جب دل میں ایک چیز بیٹھ گئی تو دل تو سلطان الاعضاء ہے تمام اعضاء کا بادشاہ ہے تو ساری رعایا اسی کی پیروی کرے گی۔ جب دل میں تواضع اور انکساری اور خاکساری بیٹھ گئی تو پیروں میں بھی آئے گی انکساری، ہاتھ میں بھی آئے گی انکساری، زبان میں بھی آئے گی۔ ہر چیز میں وہی کسر و انکسار تواضع خاکساری پیدا ہو جائے گی۔ صحّت میں بھی انکساری بیماری میں بھی انکساری۔

## ایک عجیب واقعہ، اکابر کے مختلف شیون

مجھے واقعہ یاد آیا میرے والد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی عادت یہ تھی کہ تھوڑا بھی بیمار ہوں تو بہت زیادہ کولتے کراہتے اور ہائے ہائے کرتے جیسے کوئی بڑی عظیم چیز آگئی، مکان کو سر پہ اُٹھالیا، چھوٹی سی بیماری معمولی اور ہائے ہائے زیادہ تو مَیں نے ایک دن ڈرتے ڈرتے عرض کیا ان سے، رعب اُن کا غالب تھا کہ آپ جو یُوں زیادہ ہائے ہائے کرتے ہیں یہ تو رضا اور توکل کے خلاف ہے، بندہ ہوکر ذرا سی بیماری آئی اور زیادہ کولنا کراہنا یہ تو رضا کے خلاف ہے۔ بندہ پر جو کیفیت آئے، اسے راضی ہوجانا چاہیے زیادہ ہائے ہائے کرنے کا کیا مطلب ؟ جیسے ٹالنا چاہتے ہیں، یہ تو رضا کے خلاف ہے توکل کے خلاف ہے ؟ ہنس کے فرمایا کہ نالائق ہمیں نصیحت کرنے کے لیے آیا ہے اور اس کے بعد فرمایا کہ بیٹھ جا ، مَیں بیٹھ گیا۔ فرمایا کہ مَیں نے اپنے تین بزرگوں کی زیارت کی ہے اور زیارت ہی نہیں کی بلکہ برتا ہے اور اُن کی پُوری زندگی پائی ہے۔

سب سے پہلے اپنے پیر و مُرشد حضرت حاجی امداد اللہ قدّس اللہ سرّہ ان سے خلافت بھی حاصل تھی۔ فرمایا کہ مَیں نے اُن کی زندگی دیکھی ہی نہیں بلکہ برتی ہے اور ان کی صُحبت اُٹھائی ہے۔

دوسرے فرمایا کہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ وہ میرے اُستاذِ حدیث ہیں تو اُن کی خدمت میں بھی حاضر رہا ہوں۔

اور تیسرے فرمایا کہ حضرت مولانا محمّد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانیٔ دارالعلوم دیوبند وہ تو میرے والد ہیں اُن کی زندگی بھی مَیں نے دیکھی اور اُن کی صُحبت اُٹھائی، ان تینوں بزرگوں کے مَیں نے تین رنگ پائے۔

فرمایا کہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پیر و مُرشد کا تو یہ عالَم تھا کہ ذرا سی بیماری آتی تو ہائے ہائے کرتے مکان کو سر پر اُٹھا لیتے تو ایک صاحب نے آکر عرض کیا کہ حضرت یہ تو بندگی اور رضا اور توکل کے خلاف ہے کہ ذرا سی بیماری آئی اور ہائے ہائے شروع کی فرمایا کہ کیا میں اپنے اللہ کے مقابلے مَیں بہادر بنوں اور یہ دعویٰ کروں زبانِ حال سے کہ آپ جو کچھ بھیجیں گے میرے اندر طاقت ہے مَیں اُسے برداشت کروں گا۔ مَیں تھوڑی سی بیماری میں ہائے ہائے کر کے عرض کر دیتا ہوں کہ مَیں اتنا کمزور ہوں کہ مجھے آزمائیے نہیں۔ فضل سے بخش دیجیے، مَیں تو اس قابل بھی نہیں ہوں کہ بخار کا تحمل کروں

بندہ ہوں اور ضعیف ہوں تو ہیں ہائے کر کے اپنے ضُعف کو ظاہر کر دیتا ہوں۔ اپنے عجز کو ظاہر کرتا ہوں فرمایا یہی ہے عبدیت اور بندگی کی شان کہ اپنا عجز اور اپنی بے طاقتی عاجزی ہر طرح سے ظاہر کر دو۔

فرمایا کہ حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ہائے وائے تو نہیں کرتے تھے، مگر علاج کا اہتمام (بہت کرتے تھے) ذرا بیماری آئی طبیب کو بلاؤ اور ڈاکٹر کو بلاؤ اور دوا اور دارو اور پرہیز تو بعض نے عرض کیا کہ حضرت اسباب میں اتنا غلو کرنا یہ تو بندگی کے خلاف ہے اس کے معنی ہیں کہ مسبب الاسباب پہ نظر نہیں بس دواؤں پہ نظر ہے۔ ڈاکٹر پہ نظر ہے۔ علاج پہ نظر ہے فرمایا کہ علاج کرنا مسنون ہے اور اتباعِ سُنّت ہی سب سے بڑی عبدیت ہے، اِن کے یہاں بھی عبدیت تھی، مگر عبدیت کا یہ روپ تھا کہ ہر چیز میں سُنّت کی پیروی کی جائے جو حضور نے کیا۔ وہ ہم کریں آپ نے بھی علاج فرمایا تو علاج مطلوب ہو گیا تو سُنّت کی پیروی کرنی ضروری ہے تو صحت کی سُنّتیں اور ہیں بیماری کی سُنّتیں اور ہیں بیماری میں یہی سُنّت ہے کہ آدمی معالجہ کی طرف متوجّہ ہو، اپنی حیثیّت کے مطابق کوئی بڑا آدمی ہے وہ علاج کرانے بھی جرمنی جائے گا اور چھوٹا ہے وہ مقامی ڈاکٹر کو دکھلا دے گا، مگر بہر حال علاج کی طرف توجّہ کرنا یہ سُنّت کی پیروی ہے اس لیے کہ یہ بدن ہمارا یہ سرکاری مِلک ہے اور اللہ کی ملک ہے ہم اس کے امین بنائے گئے ہیں تو ہمارا فرض ہے کہ اس کی حفاظت کریں بیمار ہوں تو دوا کریں ایسے موقعوں پر نہ جائیں جہاں ہلاکت یقینی ہو یہ ضائع نہ ہو جائے سواری، اسی سواری پر سوار ہو کر رُوح مقامات طے کرتی ہے اور عرشِ عظیم تک پہنچتی ہے جب سواری نکمی ہو جائے گی تو سفر کیسے طے ہو گا اس واسطے اس کو گھاس دانہ بھی دینا چاہیے اسے غذا بھی دینی چاہیے یہ بیمار ہو تو اس کا علاج بھی کرنا چاہیے تو فرمایا کہ بیماری میں علاج کرنا سُنّت کی پیروی ہے اور پیروی سُنّت کی یہی عبدیت ہے اسی کو بندگی کہتے ہیں تو حضرت (حاجی صاحبؒ) کے یہاں بھی بندگی تھی اور ان کے یہاں بھی عبدیت تھی اُس کا رُوپ اور تھا اِس کا رنگ اور۔

فرمایا کہ میرے والد بزرگوار حضرت مولانا محمّد قاسم صاحبؒ کی کیفیّت یہ تھی کہ بڑی سے بڑی بیماری آجائے تو اُف نہیں کرتے تھے کسی پہ ظاہر نہیں ہوتا تھا بیمار ہیں، مہینوں برسوں کے بعد اتّفاق سے زبان سے نکل گیا تو پتہ چلتا تھا کہ اتنی بڑی بیماری آئی ہے اور بالکل دم بخود لوگوں نے عرض کیا حضرت بیماری آئی ہے آپ کسی سے فرماتے بھی نہیں۔ کچھ ظاہر بھی نہیں کرتے کہ کوئی دوا دارو یا

علاج کرے فرمایا کہ "ہر چہ از دوست می رسد نیکوست" مالک کی طرف سے جو آئے گردن جھکانی چاہیے تو وہی میرے لیے خیر ہے وہی میرے لیے برکت ہے اگر وہ بیماری دے تو میں کون ہوں یہ کہنے والا کہ مجھے تو تندرست ہونا چاہیے اور اگر وہ تندرستی دے تو میں کون ہوں یہ کہنے والا کہ مجھے بیمار ہونا چاہیے، ہر چہ از دوست می رسد نیکوست، دوست اور محبوب کی طرف سے جو آئے سر جھکا دینا چاہیے۔ فرمایا یہی عبدیت ہے اور یہی بندگی کی شان ہے کہ دوست کی ہر منشاء کے اوپر آدمی راضی بہ رضا ہو جائے۔

## مؤمن کی کوئی کل بری نہیں

جیسا کہ حدیث میں ارشاد ہے کہ "عَجَبًا لِّاَمْرِ الْمُؤْمِنِ اِنْ اَصَابَتْهُ سَرَّاءُ شَكَرَ وَاِنْ اَصَابَتْهُ ضَرَّاءُ صَبَرَ"[1] مومن کی کوئی کل بری نہیں ہے۔ ایمان کے ساتھ کوئی حالت بری نہیں اگر بیماری آتی ہے تو صبر کرتا ہے، صبر کے راستے سے اللہ تک پہنچ جاتا ہے اور اگر نعمت آتی ہے تو شکر کرتا ہے اور شکر کے راستے سے اللہ تک جا پہنچتا ہے تو بیماری بھی اس کے لیے خیر ہے اور تندرستی بھی اس کے لیے خیر ہے تندرستی کے اور لوازم ہیں اور بیماری کے اور لوازم ہیں اور سب پر ایمان کا قانون لاگو، اسی راستے سے آدمی اللہ تک جا پہنچتا ہے تو فرمایا کہ حق تعالیٰ شانہٗ جو بھی کیفیت بھیجیں نعمت کی ہو یا مصیبت کی تنگی کی ہو یا راحت کی تموّل کی ہو یا دست نگری اور محتاجگی کی جس حالت میں ہو بندہ راضی اور شاکر رہے کہ میرے لیے یہی خیر ہے جو میرے مالک نے تجویز کیا ہے میں کون ہوں اس کے خلاف کرنے والا یا خلاف بولنے والا۔

## ایک بزرگ کا مقولہ

کسی بزرگ سے پوچھا تھا کسی نے کہ آپ کا کیا حال ہے؟ وہ اسی مقام کے تھے یعنی راضی بہ رضا کے مقام کے، وہ مقامِ رضا پر پہنچ چکے تھے۔ ان سے پوچھا کہ آپ کا کیا حال ہے؟ کہا کیا حال پوچھتے ہو اس شخص کا کہ جس کی مرضی پر دونوں جہان کے کارخانے چل رہے ہیں تو انھوں نے کہا کہ آپ اس درجہ کے ہیں کہ آپ کی مرضی پر زمین و آسمان کے سارے کارخانے جاری ہیں کہا الحمد للہ میں اسی درجہ کا ہوں کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کہا یہ اس طرح سے ہو سکتا ہے کہ دونوں جہان کے کارخانے چل رہے ہیں اللہ کی مرضی پر اور میں نے اپنی مرضی کو فنا کر دیا ہے۔ اللہ کی مرضی میں جو اس کی مرضی وہ میری مرضی۔ اس لیے جو بھی پیش آتا ہے عالم میں میں

---

[1] مشکوٰۃ ص ۴۵۲

اس پر راضی ہوں کہ ٹھیک ہے کوئی پیدا ہوتا ہے مَیں کہتا ہوں کہ الحمد للہ یہی ہونا چاہیے تھا کوئی مرتا ہے۔ مَیں کہتا ہوں الحمد للہ یہی ہونا چاہیے تھا۔ مجھے کیا حق ہے کہ بیٹھ کر ماتم کروں اور بیٹھ کر واویلا کروں اس کے معنی ہیں کہ اللہ کے حکم میں مَیں مداخلت کر رہا ہوں اور مِنْ میخ نکال رہا ہوں کہ آپ نے کیوں موت بھیج دی فلاں کے لیے، تو مَیں اس لیے آیا ہوں کہ اللہ سے لڑوں اور مقابلہ کروں۔ وہ موت دے دے میں کہتا ہوں الحمد للہ یہی مناسب وہ زندگی دے میں کہتا ہوں الحمد للہ یہی مناسب ہے وہ بیماری دے میں کہتا ہوں بے شک یہی مناسب، اس لیے جہان میں کوئی چیز بھی میری مرضی کے خلاف نہیں ہوتی۔ سب میرے مرضی پر چل رہے ہیں کارخانے

## رضا بہ قضا کے معنیٰ

توحقیقت میں رضا بہ قضا کے یہی معنی ہیں کہ اس مقام پر آجائے کہ جو بھی ہو آدمی اس پر راضی ہو اور ظاہر ہے کہ جب اس مقام پر آجائے گا تو تشویشات ساری ختم ہو جائیں گی۔ یہ جو تشویش اور اُلجھن پیدا ہوتی ہے یہ اپنی تجویز سے پیدا ہوتی ہے۔ ہم نے یہ تجویز کر لیا کہ ہمیں مالدار بننا چاہیے۔ اب اگر مالدار نہ بنے یا چھن گیا مال تو اب رو رہے ہیں بیٹھ کے یہ کیوں رو رہے ہیں۔ پریشانی کیوں ہوئی کہ خود ہم نے تجویز کیا تھا کہ مالدار ہونا چاہیے یا بننا چاہیے، بیماری آئی تو پریشان ہیں گھُٹ رہے ہیں کیوں؟ اس لیے کہ تجویز یہ تھی کہ ہونا چاہیے ہمیں تندرست تو کیوں بیمار بنیں ان ساری مصیبتوں کی جڑ اپنی تجویز ہے، لیکن اگر تفویض ہو جائے کہ مَیں نے اپنے آپ کو سونپ دیا اللہ کے جو بھی کیفیّت پیش آئے وہ خیر ہے اب ظاہر ہے کہ نفس کے خلاف کوئی چیز ہوئے گی نہیں اور تشویش اسی کو کہتے ہیں کہ طبیعت کے خلاف ہو۔ جب ہر چیز کو طبیعت کے موافق بنالے تو اب پریشانی باقی نہیں رہے گی، تو تشویشات بھی ختم ساری پراگندیاں بھی ختم پریشانیاں بھی ختم تو اہل اللہ در حقیقت تفویض کے مقام پر ہوتے ہیں۔ اس لیے اُنہیں کوئی پریشانی نہیں ہوتی کسی حالت میں ہوں مطمئن اور مگن اور اہلِ دُنیا جو خود مجوّز ہیں اپنے لیے کہ ہمیں یُوں ہونا چاہیے وہ ہر وقت پریشان رہیں گے اس لیے کہ نفس کا ہر منصوبہ پُورا ہونا ضروری نہیں اور جب کسی تجویز کے خلاف ہوگا تو روئیں گے بیٹھ کے بھگیں گے تو ہر وقت پریشانی میں اس لیے اعلیٰ ترین مقام کہ جس میں سکونِ کامل ہو پریشانی رفع ہو۔ وہ یہ نہیں ہے کہ آدمی دنیا کو بدلنے کی کوشش کرے اپنے کو بدل دے کہ جو پیش آئے کہے یہی مناسب تھا میرے حال کے اسی پر راضی ہو جائے تشویش ختم ہو جائے گی۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ

مالداری ہے بہترین چیز اور اسی میں سکون ہے یا مصیبت ہے سب سے بڑی چیز یا نعمت ہے سب سے بڑی چیز ان میں کوئی چیز نہیں سکون یہ ہے کہ جو مرضیِ حق ہو وہ ہے درحقیقت سکون کی جڑ، بیماری ہو یا تندرستی مالداری ہو یا دست نگری وہی ہے سکون کا ذریعہ تو اللہ کی تجویزوں پر اس کی تقدیرات پر راضی ہو جانا یہ سکون کا ذریعہ ہے" اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ" اللہ کے ذکر سے ہی دِل چین پاتے ہیں۔

## ذکر کا مطلب

تو ذکر کا فقط یہ مطلب نہیں کہ مسجد میں بیٹھ کے اللہ اللہ کر لے ذکر اور یاد داشت کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی مِنْ جَانِبِ اللہ پیش آئے اس پہ رضا کا اظہار کرے۔ بیمار ہے تب راضی تندرست ہے جب راضی مالدار ہے۔ جب راضی اور نادار ہے تب راضی۔

## ملکۂ یاد داشت کے معنیٰ

یہ معنی ہیں ملکۂ یاد داشت کے کہ ہر تقدیر پر راضی ہو جائے آدمی۔

## افلاطون کا ایک واقعہ

مجھے اس پر ایک واقعہ یاد آگیا افلاطون کا، ہم یہ سمجھتے تھے کہ یہ افلاطون یُونان کے حکماء میں سے ایک حکیم ہے فلسفی ہے، لیکن شیخ عبدالکریم جیلیؒ ایک بہت بڑے عالم اور ایک بہت بڑے محقق گزرے ہیں۔ اُنھوں نے ایک کتاب لکھی ہے" اَلْاِنْسَانُ الْکَامِلُ" کہ انسانِ کامل کسے کہتے ہیں؟ اس میں اُصول و قواعد شرعی بیان کیے ہیں اس میں لکھتے ہیں کہ میں افلاطون کی قبر پہ گیا تو انوار و برکات سے میں نے ڈھکا ہوا پایا اس قبر کو اس سے ہم سمجھے کہ مقبولانِ الٰہی میں سے تھا یہ کوئی شخص، محض فلسفی اور بندگانِ عقل میں سے نہیں تھا جیسا کہ شہرت ہے بلکہ کوئی مقبولِ خداوندی شخص ہے۔ اس افلاطون کا واقعہ اُنھوں نے لکھا ہے یا کسی دوسرے نے یہ یاد نہیں رہا۔ بس اتنا تو ضرور لکھا ہے کہ افلاطون مقبولانِ الٰہی میں سے ہے افلاطون نے زمانہ پایا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کا تعارف نہیں تھا۔ ایک دوسرے کو پہچانتے نہیں تھے نام سُنا تھا۔ افلاطون بھی جانتا تھا کہ ایک اسرائیلی پیغمبر ہیں اولوالعزم اور حضرت موسیٰ علیہ السّلام بھی جانتے تھے کہ افلاطون ہے ایک شخصیّت، لیکن کبھی ملنا نہیں ہُوا تھا کبھی تعارف نہیں ہُوا تھا۔ اتفاق سے ایک سڑک پر آمنا سامنا ہُوا پہچان تو تھی نہیں، لیکن افلاطون نے موسیٰ علیہ السّلام کے چہرے پر انوار و برکات اور جلالت نبوّت کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ یہ کوئی بہت بڑی

شخصیت ہیں اور کوئی بہت بڑا عالم اور عارف باللہ ہے۔ مردِ حقانی کی پیشانی کا نور۔ کب چھپا رہتا ہے پیشِ ذی شعور، وہ جو قلب کے اندر اشراق اور چمک ہوتی ہے۔ اس کے اثرات چہرے پر نمایاں ہوتے ہیں تو چہرہ چغلی کھالیتا ہے کہ اندر کیا کیفیات موجود ہیں تو موسیٰ علیہ السّلام کے چہرۂ مبارک پر جلال اور جمال نبوّت کا چمک رہا تھا تو اس نے سمجھا کہ کوئی بہت بڑی عظیم شخصیت ہیں آ کے مصافحہ کیا اور یہ کہا کہ میں سمجھتا ہوں کہ آپ کوئی بہت بڑے حکیم ہیں اور کوئی بہت بڑے عالم اور عارف باللہ ہیں ایک سوال ہے میرا کہ جس کو اب تک کوئی حل نہیں کر سکا، بڑے بڑے عقلاء کے سامنے پیش کیا علماء کے سامنے پیش کیا، مگر کوئی جواب تسلّی بخش مجھے نہیں ملا۔ میرا گمان یہ ہے کہ آپ حل کر دیں گے وہ سوال آپ کا چہرہ بتلا رہا ہے کہ نورانیت ہے آپ کے قلب میں، فرمایا کیا سوال ہے؟ کہا سوال یہ ہے کہ اگر آسمان کو کمان فرض کر لیا جائے اور یہ جو مصیبتیں برس رہی ہیں انہیں تیر فرض کیا جائے اور اللہ میاں کو تیر چلانے والا فرض کیا جائے اور صورت ایسی بنے کہ اللہ آسمان کی کمان سے مصیبتوں کے تیر برسا رہے ہیں تو بچاؤ کی کیا صورت ہے؟ ظاہر بات ہے کہ بچاؤ کی صورت عقل میں تو آتی نہیں اس لیے کہ اس زمین کو چھوڑ کر آدمی کہیں نہیں جا سکتا اور اگر فرض کیجیے چلا بھی جائے تو یہ جو آسمان کا گھیرا پڑا ہوا ہے اس کے دائرے سے نکل کر باہر نہیں جا سکتا اور مان لو کہ اس سے بھی نکل جائے تو اللہ میاں جب تیر مارنا چاہیں تو ان کی گرفت سے نکل کر کہاں جائے گا۔ وہ تو زمینوں اور آسمانوں سے ماوَرا بھی ان کی حکومت ہے تو عقل نہیں اس کو سمجھتی۔ عقل یہی کہے گی کہ کوئی صورت بچنے کی نہیں ہے، اسی واسطے کوئی عالم جواب نہیں دے سکا کہ زمین چھوڑ کر جانا مشکل، کروں کی محاذات سے نکلنا مشکل، آسمان کے نیچے سے جانا مشکل اور مالک الملک کی گرفت سے نکلنا مشکل ناممکن، تو کوئی صورت بچاؤ کی نہیں جب تیر برسیں گے مصیبتوں کے تو وہ تو بھگتنا پڑے گا مصیبت اُٹھانی ہی پڑے گی تو یہ سوال کیا جو واقعی مشکل تھا۔ موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ یہ بہت آسان بات ہے اس میں کوئی اشکال ہی نہیں، سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ کی سمجھ میں کیوں نہیں آیا، معمولی بات ہے اب یہ بھی متوجہ ہوا کہ جس کو کوئی حل نہیں کر سکا یہ کہہ رہے ہیں کہ معمولی بات ہے۔ فرمایا کہ بچاؤ کی صورت ہے اور وہ یہ ہے کہ تیر مارنے والا جب تیر مارنے کا ارادہ کرے اس کی محاذات سے ہٹ کر پہلو میں آ کھڑا ہو تو تیر لگے گا ہی نہیں۔ بس یہ اس کا طریقہ ہے تیر

پھینکنے والے کی بغل میں آجائے وہ کتنی زور سے تیر مارے گا، تیر نہیں لگے گا کوئی اثر نہیں ہوگا، اس نے ہاتھ چومے کہا معلوم ہوتا ہے آپ پیغمبر ہیں اس کو صاحبِ معرفت کے سوا دوسرا نہیں بتلا سکتا تھا۔ محض عالم کا کام نہیں ہے کہ اس کا جواب دے یہ تو عاشق کا کام ہے۔ عارف باللہ کا کام ہے کہ جو معرفت رکھتا ہو اپنے دل میں اس لیے کہ عشق جو راہیں کھولتا ہے علم نہیں کھول سکتا وہ راہیں، وہ کہتا ہے نا ایک شاعر کہ ؎

عقل گوید شش جہت راہے، حدے بیش نیست

عقل کہتی ہے کہ چھ ہی جہتیں ہیں اُوپر نیچے دائیں بائیں سامنے پیچھے اور کوئی جہت نہیں تو عقل گوید شش جہت راہے حدے بیش نیست اس کے سوا کوئی جہت نہیں، عشق گوید ہست راہے بارہا من رفتہ ام، عشق نے کہا کہ نہیں اور بھی رستہ ہے میں گیا ہوں بارہا عشق چھ جہات میں محدود تھوڑا ہی ہے یہ تو عقل کی حد بندی ہے عشق اس سے بالاتر ہے وہ دُور دُور پہنچتا ہے تو عشق جب مالک سے ملا دیتا ہے اور سرچشمۂ کمالات سے ملا دیتا ہے تو عقل تو ایک بندی ہے اس بارگاہ کی عقل بے چاری کیا کرے گی۔ عقل کا دائرہ محدود ہے۔ محسوسات کے اندر اور عشق ماورائے محسوسات کی باتیں پاتا ہے۔ وہ عرش کی باتیں لاتا ہے تو اس نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ پیغمبر ہیں اسرائیلی اس وقت کھُلی بات کہ یہ موسیٰ علیہ السّلام ہیں تو ہاتھ چومے اور موسیٰ نے بھی جانا کہ یہ کوئی حکیم معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اَلسُّوَالُ نِصْفُ الْعِلْمِ گہرا سوال کرنا بھی علم کے بغیر ممکن نہیں جاہلِ محض سوال بھی نہیں کر سکتا۔ مطلق جاہل ہو وہ سوال کر نہیں سکتا کرے گا تو بے ڈھنگا کرے گا۔ جواب دینے والے کو بھی اُلجھا دے گا۔ اس لیے سوال کرنا بھی علم والے کا کام ہے۔ جاہل کا کام نہیں ہے جو ڈھنگ کا سوال کرے۔ اَلسُّوَالُ نِصْفُ الْعِلْمِ حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ سوال کرنے والا بھی آدھا عالم ہوتا ہے بے اُس کے سوال نہیں کر سکتا۔ تو موسیٰ علیہ السّلام نے فرمایا کہ تم بھی کوئی حکیم معلوم ہوتے ہو، سوال ایسا گہرا کیا کہ وہ بے علم سے نہیں ہو سکتا سوال، بہرحال اس وقت تعارف ہُوا تو افلاطون کو گویا موسیٰ علیہ السّلام نے جواب دیا کہ جب اللہ کو فرض کیا جائے کہ وہ تیر چلا رہے ہیں اور آسمان کی کمان سے تیر برسا رہے ہیں تو بچنے کی کیا صُورت ہے۔ تو بچنے کی صُورت یہ ہے کہ تیر چلانے والے کے پہلو میں آکر کھڑا ہو تیر نہیں لگے گا۔

## پہلوئے خداوندی سے کیا مُراد ہے؟

اللہ کا پہلو کیا ہے؟ وہ تو جسم سے بری ہیں وہاں، کوئی پہلو نہیں کوئی آگا پیچھا نہیں وہ تو ہر جہت سے اُونچے ہیں اور بالاتر ہیں۔ پہلوئے خداوندی درحقیقت ذکر اللہ ہے کہ یادِ خداوندی قلب کے اندر ہو جائے۔ یہ ہے حق تعالیٰ کا جسم اور پہلو کہ اس کی یاد بغل میں موجود ہو جب یاد اُس کی موجود ہے تو گویا ان کے پہلو میں ہے آدمی اس لیے کہ پہلو کے معنی یہی تو ہوتے ہیں کہ بچاؤ کر لے، کوئی حملہ کرے تو آپ بچے کو پہلو میں لے لیتے ہیں کہ حملہ آور حملہ نہ کر سکے، عورت جا رہی ہو اس کو پہلو میں لے لیتے ہیں تاکہ اس پر کوئی حملہ آور نہ ہو، تو پہلو کے معنی بچاؤ کے ذریعے کے لینے کے ہیں حرز میں آجائے تحفّظ میں آجائے تو اللہ کے تحفّظ میں آنے کا مطلب یہ ہے کہ اُس کی یاد قلب کے اندر آجائے وہی ذکر اللہ ذریعہ بنتا ہے۔ حرز کا تو پہلوئے خداوندی ذکر ہے تو حاصل یہ نکلا کہ اگر قلب کے اندر ذکر الٰہی موجود ہے تو تیر بے شک آئیں گے، لیکن اثر نہیں کریں گے۔ اس لیے کہ اطمینان ہے اپنے مالک کے اُوپر مگن اور مطمئن ہے نہ بیماری کی پروا ہے نہ تندرستی کی جو وہ دے رہے ہیں حکمت سے دے رہے ہیں اور میرے لیے مصلحت اور مناسب ہے جب یہ رضا پیدا ہو گئی تو تشویش کہاں رہی، تو یہ مطلب نہیں ہے کہ ذکر کرنے والا کبھی مصیبت میں گرفتار نہیں ہوگا، ذکر کرنے والے بلکہ اہل اللہ پر زیادہ مصیبتیں آتی ہیں فُسّاق و فُجّار پر کم آتی ہیں۔ کُفّار پر ان سے بھی کم آتی ہیں۔ مومن اور جتنا مخلص ہوگا، زیادہ مصیبت آئے گی، جانچ اسی کی کی جائے گی تو یہ مطلب نہیں ہے کہ مصیبت نہ آئے۔ حدیث میں فرمایا گیا کہ اَشَدُّ بَلَاءً اَلْاَنْبِیَاءُ

حافظ نور محمد انور

# اصحابِ رضؓ رسولؐ

○

دین و ملّت کے طرفدار تھے اصحابِ رضؓ رسولؐ — ہستیٔ کُفر سے بیزار تھے اصحابِ رضؓ رسولؐ
رحمتِ حق کے طلبگار تھے اصحابِ رضؓ رسول — دینِ قیّم کے نگہدار تھے اصحابِ رضؓ رسولؐ
زندگی ان کی بسر خدمتِ ملّت میں ہوئی — کُفر سے برسرِ پیکار تھے اصحابِ رضؓ رسولؐ
حُبِّ یارانِ نبیؐ پاک کے جذبے کے سبب — سب کے سب پیکرِ ایثار تھے اصحابِ رضؓ رسولؐ
ان کی سطوت کے گواہ آج بھی ہیں بدر و حنین — بخدا ایسے فدا کار تھے اصحابِ رضؓ رسولؐ
ان کے ہر عزم و عمل سے تھا ہراساں باطل — بالیقین غالبِ کفّار تھے اصحابِ رضؓ رسول
کرتے تھے جان و زر و مال نچھاور حق پر — عدل و انصاف کی سرکار تھے اصحابِ رضؓ رسولؐ
ان کی ہیبت سے ہوئی شوکتِ کسریٰ نابود — کیا ہی جاں باز تھے جرّار تھے اصحابِ رضؓ رسولؐ
ان پہ راضی ہے خُدا اور خُدا کا محبوب — اپنے اللہ کے دلدار تھے اصحابِ رضؓ رسولؐ
دُشمنِ دیں پہ جھپٹ پڑتے تھے شیروں کی طرح — ربِّ قہار کی تلوار تھے اصحابِ رضؓ رسولؐ

کیوں نہ ہو دہر میں نام ان کا فروزاں انورؔ
عاشقِ سیّدِ ابرار تھے اصحابِ رضؓ رسولؐ

# سوادِ تحریر شیخ العرب والعجم حضرۃ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ

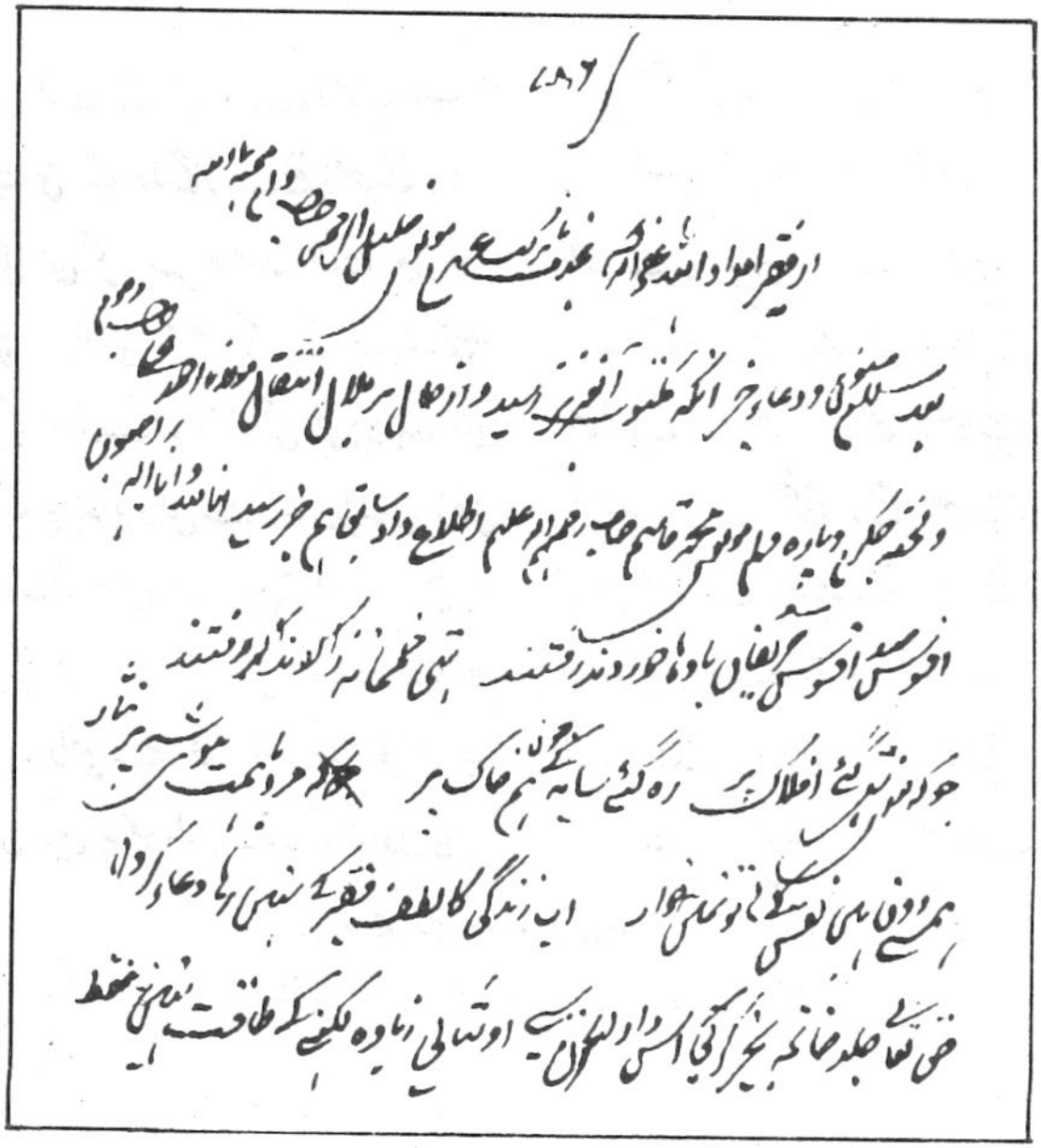

از فقیر امداد اللہ عفی اللہ عنہ بخدمتِ بابرکت غرزم مولوی خلیل الرحمٰن صاحب دام محبتہ اللہ

بعد سلامِ مسنون و دُعاءِ خیر آنکہ مکتوبِ آنعزیز رسید و از حالِ پُر ملال انتقالِ مولانا احمد علی صاحب مرحوم ولختِ جگرم و پارۂ دلم مولوی محمد قاسم صاحب رحمہم اللہ اطلاع داد۔ سابق ہم خبر رسید۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

افسوس صد افسوس ؎

حریفاں بادہ ہا خوردند و رفتند تہی خمخانہ را کردند و رفتند

جو کہ نوری تھے گئے افلاک پر رہ گئے سایہ کے جوں ہم خاک پر

مرد باہمت ہوئے ہشیار ہم سے دوں میں نفس کے ہاتھوں میں خوار

اب زندگی کا لطف فقیر کے نہیں رہا۔ دعا کرو کہ حق تعالیٰ جلد خاتمہ بخیر کر کے اِس دار الحزن سے اُٹھا لے۔ زیادہ لکھنے کی طاقت نہیں۔ فقط

مندرجہ بالا والا نامہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہٗ (م ۱۳۱۷ھ) کے خامۂ عنبر شمامہ کا سوادِ تحریر ہے۔ حضرت والا نے یہ مکتوبِ گرامی اُستاذ المحدثین حضرت مولانا احمد علی محدّث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ کی وفاتِ حسرت آیات (۱۷ ربیع الثانی ۱۲۹۷ھ) پر ان کے صاحبزادے حضرت مولانا خلیل الرحمٰن صاحب کے نام تحریر فرمایا ہے اس میں قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کی وفاتِ مبارک (۴ جمادی الاول ۱۲۹۷ھ) پر بھی غم واندوہ کا اظہار فرمایا ہے۔ یہ ۱۲۰ سال پہلے کی غیر مطبوعہ تحریر ہے یہ مکتوبِ مبارک حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری قدس سرہٗ کی اولاد و احفاد کے پاس محفوظ رہا۔ اس خاندان کے ایک فرد ہمارے فاضل دوست جناب محمد سلیم الرحمٰن صاحب (ابن محمد عقیل الرحمن بن محمد خلیل الرحمٰن بن حضرت مولانا احمد علی صاحب محدّث سہارنپوری رحمۃ اللہ علیہ) نے چند سال پیشتر راقم سطور سے اس والا نامہ کا تذکرہ کیا۔ بعد میں انھوں نے بکمالِ مہربانی ازخود یہ نادر مکتوب ناچیز کو عنایت فرما دیا۔ فَجَزَاهُ اللهُ أَحْسَنَ الْجَزَاءِ

یہ متبرک امانت جناب سلیم الرحمٰن صاحب (مقیم لاہور) کے شکریے کے ساتھ عامۃ المسلمین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے یہ مکتوبِ مبارک پہلی مرتبہ اشاعت پذیر ہے۔

۱۵۔ ذوالحجہ ۱۴۱۷ھ ناچیز نفیس الحسینی لاہور

شخصیات

## ایک محقق و متبع سُنّت عالم

# حضرۃ مولانا قاری عبدُالرشید صاحب رحمہ اللہ

مندرجہ ذیل مضمون حضرت مولانا قاری عبدالرشید صاحب رحمہ اللہ استاذ الحدیث جامعہ مدنیہ لاہور کی شخصیت سے متعلق آپ کے بہنوئی حضرت قاری قیام الدین الحسینی زید مجدہٗ نے تحریر فرمایا ہے اس میں آپ نے حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کے چند اوصاف و امتیازات ذکر کیے ہیں اور اُن کے ساتھ بیتے ہوئے چند ایام کا تذکرہ کیا ہے، حضرت قاری صاحب رحمہ اللہ کی مفصل سوانح حیات زیرِ ترتیب ہے اس کی اشاعت سے انشاء اللہ آپکے مرتبہ و مقام نیز آپ کی دینی و ملّی خدمات کا صحیح اندازہ ہوسکے گا (ادارہ)

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے گھر میں "بھائی جان" کے الفاظ سے یاد کیا جاتا تھا، اور راقم السّطور انھیں "بھائی صاحب" کے کلمات سے یاد کرتا تھا۔

اِنھیں میں نے سب سے پہلے اپنے بڑے بھائی محترم قاری غلام مصطفیٰ قاسمی صاحب کے ساتھ اُس وقت دیکھا تھا جب بڑے بھائی لاہور یادگارِ اسلاف حضرت مولانا مفتی عبدالحمید صاحب دامت فیوضہم وبرکاتہم سے میرے رشتہ کی بات پختہ کرنے کی غرض سے آئے تھے۔ بھائی صاحبؒ اس وقت میزبانی کے فرائض سرانجام دینے میں پیش پیش تھے۔ اس کے تھوڑے ہی عرصہ بعد ۱۵ اپریل ۱۹۸۳ء بروز جمعہ ان کی ہمشیرہ کے ساتھ میرا عقد نکاح ہُوا۔ حضرت سیّد نفیس شاہ صاحب مدظلہٗ نے نکاح پڑھایا آغاز میں اہلِ خانہ کی پنڈ دادنخان سے لاہور آمد و رفت زیادہ رہی۔ لاہور حاضری کے موقع پر مغرب اور عشاء کے بعد طلبہ کو عربی فارسی کُتب پڑھاتے ہُوئے اُنھیں دیکھتا تو یہی خیال ہوتا کہ وہ ایک متوسط الاِستعداد شخص ہیں اور عام مولویوں کی طرح "بسم اللہ" کے گنبد میں بند ہیں اور بس۔ لیکن رفتہ رفتہ یہ خیال غلط ہوتا گیا۔

راقم السّطور کو بھائی صاحبؒ میری نااہلی کے باوجود بڑی اہمیّت دیتے اپنی موٹر سائیکل پر بٹھا کر مکتبہ علمیہ اسی طرح اُردو بازار مکتبہ مدنیہ اور مکتبہ قاسمیہ کا گشت کرانا ان کا معمول رہا۔ اُنھیں بھی

مختلف علوم و فنون کی کتابیں خریدنے کا ایک جنون تھا اور مجھے بھی۔ اس کے ساتھ ہی لاہور میری حاضری پر صبح اپنے ساتھ موٹر سائیکل پر بٹھا کر جامعہ مدنیہ (کریم پارک) حضرت شاہ صاحب دامت برکاتہم کی زیارت و ملاقات کے لیے لے جانا نہایت ضروری تھا۔ مجھے ان کے ہاں جانا اور اُن کی صحبت میں بیٹھنا ہر فرض سے اہم فرض محسوس ہوتا ہے۔ جامعہ مدنیہ پہنچ کر قاری صاحبؒ تو اپنے اسباق پڑھانے میں مشغول ہو جاتے اور میں شاہ صاحب کے پاس چلا جاتا اور فارغ ہو کر قاری صاحب بھی وہاں پہنچ جاتے اور پھر یہاں سے گھر یا اُردو بازار جاتے،

ایک دفعہ آپ تو جلدی جامعہ مدنیہ چلے گئے اور پیغام دے گئے کہ جب وہ بیدار ہو کر ناشتہ سے فارغ ہو کہہ دینا جامعہ مدنیہ آجائے۔ میں ناشتہ سے فارغ ہو کر جامعہ مدنیہ پہنچ گیا۔ بھائی صاحبؒ مسجد کے صحن میں "شرح تہذیب" کی کلاس لیے بیٹھے تھے۔ کہنے لگے میں سبق پڑھا لوں۔ اس کے بعد دونوں شاہ صاحب کے پاس چلیں گے۔ خیر عبارت پڑھنے کے بعد سبق شروع ہوا تو میرے ذہن میں شیطانی وسوسہ پیدا ہوا۔ اس کا منشا کبر نہ تھا، بلکہ قاری صاحب کی علمی استعداد کے متعلق غلط فہمی تھی۔ وسوسہ یہ تھا کہ "شرح تہذیب" کا اتنا مشکل سبق وہ کیا پڑھا سکیں گے۔ قاری صاحب نے اپنے مخصوص مگر سادہ سلیس انداز میں آدھا پونا گھنٹہ تقریر فرمائی اور ماشاء اللہ بڑے اعتماد و ثوق اور کسی جھجک کے بغیر گو فہیم طلبہ تو چند تھے۔ باقی بزِ اخفش کی طرح سر ہلا رہے تھے۔ تاہم ایک دقیق بحث کو بھائی صاحب کے اس طرح پڑھانے سے سچی بات ہے کہ میرے تمام وساوس ختم ہو گئے۔ اسی طرح ان کی کتاب فاضل بریلوی کا حافظہ اور شیخ الہند اور احمد رضا خان کے تراجم کا تقابلی جائزہ اور تحریری مناظرات پڑھنے اور تقریری مناظرہ سننے سے آپ کی اعلیٰ استعداد "رسوخ علم" عمدہ ذہانت و ذکاوت کا نہ مٹنے والا نقش دل پر ثبت ہو گیا۔ اس دنیا میں کبھی تو کسی کی عظمت و رفعت اس کی لکھی ہوئی کتاب پڑھنے سے دل نشین ہوتی ہے اور کبھی کسی کے ساتھ محبت و عقیدت کا رشتہ اپنے وقت کے اکابر میں سے کسی سے اس کی علمیت کو سراہنے اور اس کے متعلق اونچے الفاظ سننے سے استوار ہوتا ہے اور کسی کے محاسن و کمالات کی دھاک اس کے قریب رہ کر اس کی زندگی کا بغور مطالعہ کرنے سے بیٹھتی ہے۔ قاری صاحب کی ذات میں یہ تینوں چیزیں جمع تھیں اُن کی زندگی کا قریب سے مطالعہ کرنے کے علاوہ ان کے ساتھ محبت و عقیدت کا رشتہ حضرت سید نفیس الحسینی دامت برکاتہم مناظرِ اسلام حضرت علامہ خالد محمود صاحب

استاذ محترم مولانا عبدالمجید صاحب شیخ الحدیث جامعہ باب العلوم کہروڑ پکّا اور حضرت قاری صاحبؒ کے ایک فاضل و بزرگ اور تجربہ کار استاذ حضرت مولانا ظہور الحق صاحب جیسے اہلِ علم و صاحبِ دل حضرات سے بہت اُونچے الفاظ میں آپ کا ذکر سُننے سے بھی ہُوا۔ آخر الذکر بزرگ فرما رہے تھے کہ ان پر ہم استاذوں کو بھی فخر ہے۔ بہرکیف بھائی صاحبؒ سے جوں جوں قرب و صُحبت ہوتی گئی اُن کے ساتھ دِل کی ان کیفیات میں اضافہ ہی ہوتا گیا۔ سعید و خوش بخت ہیں وہ حضرات جنھوں نے قاری صاحبؒ کے علم و عمل اور معصوم جوانی کی بہاریں دیکھیں اور ان سے اکتسابِ فیض کیا۔ وہی آپ کے حالات پر تفصیل اور بہتر انداز سے لکھ سکیں گے۔ مجھے اُن کے ساتھ وقت گزارنے کا بہت کم موقع ملا۔ میری لاہور حاضری زیادہ سے زیادہ ایک ہفتہ کے لیے اور وہ بھی کئی ماہ بعد ہوتی اور بھائی صاحبؒ کی ہمارے ہاں حاضری زیادہ سے زیادہ اور وہ بھی کئی ماہ بعد تین دن کے لیے ہوتی تھی۔ ان کے اتنے محدود قُرب سے بہرُور مجھ جیسا ان پر تفصیل سے کیا لکھ سکتا ہے۔ میرے نہایت مہربان و کرم فرما بزرگ حضرت سیّد نفیس الحسینی دامت برکاتہم کا حکم ہُوا تو اپنی روایتی سُستی اور پُوری نااہلی کے باوجود تعمیلِ ارشاد کو سعادت سمجھ کر اور اس لالچ میں کہ خدا معلوم ان کی کتنی قیمتی دُعائیں میرے حصّہ میں آئیں گی۔ آپ کی قابلِ رشک زندگی کی چند جھلکیاں پیش کر رہا ہوں۔

## پیکرِ تواضع

عصرِ حاضر زینت و تجمّل فکری جدّت و روشن خیالی کا دَور ہے۔ ظاہری ٹیپ ٹاپ (ڈیکوریشن) اور تصنّع اس دَور کا لازمہ ہیں جو انسانی جہالت و غباوت اور اشیائے ضرورت کی رداءت و کساد کی پردہ پوش ہیں ایسا لگتا ہے کہ جیسے نائیلون کی جرابوں کو ربڑ تانے رکھتی ہے۔ اسی طرح عصرِ حاضر کی بہت سی شخصیات اسی ڈیکوریشن اور ظاہری بناؤ سنگھار بالخصوص ذرائع ابلاغ کے مصنوعی سہاروں اور کمزور بیساکھیوں پر قائم ہیں۔ انسانیت کے حقیقی اوصاف خداداد استعداد و صلاحیت (میرٹ) اوجھل ہوکر رہ گئے ہیں۔ عمل کی بجائے قول، دِل کی بجائے زبان اور اصل کی بجائے نقل کی حکمرانی ہے۔ یہ بیساکھیاں اگر برطرف کر دی جائیں تو ساری حقیقت نکھر آئے قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ ان تمام تصنعات و تکلّفات سے بالاتر طعام و کلام لباس و معاشرت عادات و خصائل کے اعتبار سے سادگی و تواضع

کی حسین تصویر تھے۔ بڑے بڑے مذہبی اجتماعات اور دینی تقریبات میں عام لوگوں کی صفوں میں گھل مل کر بیٹھے رہتے۔ اس زمانہ میں شخصیات کے اُتار چڑھاؤ میں "ریڈیو۔ ٹی وی" اخبارات و رسائل (ذرائع ابلاغ) کا بہت بڑا دخل ہے، لیکن اُنھیں شہرت و ناموری سے نفرت تھی۔ ورنہ وہ اپنے زمانہ کے مشاہیر علماء میں ہوتے اپنی سادہ مگر باوقار وضع قطع سے وہ معمولی شخص معلوم ہوتے، مگر جب گفتگو کرتے تو پتہ چلتا کہ وہ علم و عمل کا بڑا خزانہ ہیں اور ان کے اندر ذکرِ الٰہی اور احیائے سُنّت کی سچّی تڑپ کا چراغ روشن ہے۔ ان کی زندگی پر رائج الوقت دنیاوی تکلّفات کا کوئی اثر نہ تھا۔ بقول کسے

ع دُنیا میں ہوں دُنیا کا طلبگار نہیں ہوں
بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

ان کی شخصیّت مصنوعی سہاروں پر قائم نہ تھی بلکہ قدرت کی جانب سے ودیعت کیے گئے اعلیٰ انسانی اوصاف بلندیٔ کردار و اخلاق اور راسخ علم و فہم کے مضبوط ستونوں پر استوار تھی۔ انہیں دیکھ کر اِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِیْمَانِ[1] اور مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَہُ اللّٰہُ۔ جیسی احادیث یاد آجاتی تھیں۔ ع مرنے والے تجھے روئے گا زمانہ برسوں

## استحضارِ علوم

بھائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ہر علم و فن سے متعلق تفسیر ہو یا اُصول تفسیر، فقہ ہو یا اصولِ فقہ۔ حدیث ہو یا اُصولِ حدیث۔ صرف و نحو ہو یا منطق و فلسفہ۔ علمِ ادب ہو یا معانی۔ علمِ ہیئت ہو یا عروض و قوافی، علمِ اعداد ہو یا حساب۔ تاریخ ہو یا اسماء الرّجال علم الانساب ہو یا اسماء وکُنیٰ اسی طرح علمِ طب غرضیکہ ہر قسم کی کتابوں کو جمع کرنے کا شوق جنون کی حد تک تھا۔ ان کا ذاتی کتب خانہ اس کا شاہدِ عدل ہے۔ اتنا عظیم کُتب خانہ اور وہ بھی اپنی جیب سے کسی عالم کے پاس خال خال ہی ہو سکتا ہے اور یہ بھی نہ معلوم اس سے کتنے حصّے عظیم ہوتا۔ اُنھیں تنگیِ مکان کی ہمیشہ پریشانی رہی اور بجا تھی۔ بعض حضرات کو صرف اور صرف نمائش کی غرض سے بھی کُتب جمع کرتے دیکھا تاکہ دوسروں پر خشک مرعوبیت

---

[1] سادگی ایمان کا حصہ ہے جو اللہ کے لیے عاجزی اختیار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے رفعت و منزلت عطا فرماتے ہیں۔

طاری ہو جائے، مگر بھائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ اُنھوں نے اپنے شفیق و منتظم فاضل باپ اور فضلائے دارالعلوم لائق اساتذہ کرام سے تمام علوم و فنون محنت و لگن کے ساتھ سمجھ کر پڑھے تھے اور پھر خداداد صلاحیت و وسعتِ مطالعہ نے سونے پر سہاگہ کا کام کیا۔ اظہارِ رائے کی حد تک اُنھیں ہر علم و فن کے اُصول و احکام اکثر مستحضر ہوتے۔ ہر فن سے متعلق ایک ایک کتاب کا ایک ماہر طبیب کی طرح اُنھیں پتہ ہوتا کہ کہاں رکھی ہے اور مسئلہ مبحوثہ اس میں کس مقام پر ملے گا۔ آسانی کے لیے کتابوں میں علامتی کاغذی چٹیں سجا رکھتے۔ وہ بعض بخیل اور تھڑدلے عُلماء کی طرح قیمتی علمی معلومات کا خزانہ چُھپا کر گور میں لے جانے کے قائل نہ تھے۔ ضرورت مند طالب علم اور عالمِ دین کسی کتاب کی ضرورت محسوس کرتا اور اُنھیں اس پر اعتماد ہوتا تو مطالعہ و استفادہ کے لیے یا حسبِ موقع فوٹو کاپی کے لیے دینے میں تنگ ظرفی کا مظاہرہ نہ کرتے۔ کوئی شخص ان سے کوئی علمی مقام یا مسئلہ سمجھنے کے لیے آتا اس سے تنگ دِل نہ ہوتے۔ بلکہ خوش ہو کر سمجھاتے اور مطمئن کرنے کی پُوری کوشش کرتے۔ مدرسہ کی طرف سے اُنھیں مشکل سے مشکل جو کتاب بھی تدریس کے لیے ملتی کبھی مرعوب نہ ہوتے۔ اعتماد سے پڑھاتے۔

## فرقِ باطلہ سے کلام و مناظرہ کا حوصلہ

اُنھیں وقت گزارنے اور اپنی علمیت کا دوسرے پر رُعب بٹھانے کے لیے کسی کے ساتھ بحث و مباحثہ مجادلہ و مناظرہ سے قطعی طور پر دل چسپی نہ تھی۔ ان کا مزاج وَ اِذَا خَاطَبَهُمُ الْجَاهِلُونَ قَالُوا سَلٰمًا تھا۔ تاہم فرقِ باطلہ کا کوئی داعی و مناظر اُن کے ہم مسلک احباب و متعلقین میں سے کسی کو للکارتا اور گمراہ کُن عقائد پھیلا کر مسلمانوں کے ایمان خراب کرنے کوشش کرتا۔ اور اس موقع پر حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے تعاون کی درخواست کرتا تو آپ سینہ سپر ہو کر میدان میں کود پڑتے اور حریف کو بھاگنے پر مجبور کر دیتے اور اس سلسلہ میں تحریری و تقریری مناظرہ کے لیے اپنے آپ کو ہر وقت تیار رکھتے۔

حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اپنی اچانک وفات سے قریبی ایّام میں ایک غیر مقلد مولوی صاحب سے تقریری مناظرہ ہُوا جو محفوظ ہے۔ حریف اپنے مُدّعا پر کوئی دلیل پیش نہ کر سکا۔

اسی طرح بریلویوں کے مشہور عالم "مفتی غلام سرور قادری صاحب" سے آپ کے تحریری مناظرہ کا آغاز ہوا۔ بالآخر مفتی صاحب کے حواس جواب دے گئے اور پھر درست نہ ہوئے، ہر دو مناظرین کی تحریرات کے عکس پر شامل ایک کتاب "ایک مناظرہ جو ہو نہ سکا" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ ایک اور تحریری مناظرہ حاضر ناظر کے موضوع پر ایک اور بریلوی مولوی سے بھائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا شروع ہوا تھا۔ جس کے بہت سے طویل صفحات ایک بار لاہور حاضری کے موقع پر بعد از نماز عشاء آپ نے خود سنائے۔ یہاں تک کہ ہم تھک گئے اور نیند نے تنگ کرنا شروع کر دیا۔ ایک غیر مقلد سے "رفع یدین" کے موضوع پر تحریری مناظرہ کا آغاز ہوا، مگر حریف کے اوسان خطا ہو گئے۔ بھلا جن لوگوں کا مسلک ہی ناتمام ہو وہ مناظرہ کیسے اختتام تک پہنچا سکتے ہیں ان تمام مناظرات سے حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے علمی استحضار حاضر دماغی۔ زورِ استدلال نکتہ رسی و دقیقہ سنجی کا بخوبی پتہ چلتا ہے آپ کو راقم السطور نے لاہور حاضری کے موقع پر بارہا اپنی موٹر سائیکل یا برادر محترم انوار احمد صاحب مرحوم کی گاڑی پہ سوار ہو کر مسلکِ اہلِ سنّت والجماعت کے معتمد علیہ نمائندہ کی حیثیت سے کسی مخالف یا مبتلائے شکوک و شبہات اشخاص سے گفتگو کے سلسلہ میں جاتے دیکھا۔ ان تمام کاوشوں سے ان کے پیشِ نظر اپنوں کی استقامت و طمانینتِ قلوب اور دوسروں کی ہدایت ہوتی تھی آپ کے اخلاص و حسنِ نیت کی بدولت نہ معلوم کتنے لوگ آپ کی صحبت میں بیٹھ کر آپ کے ملفوظات و مناظرات سن کر اور آپ کی قابلِ رشک و مصروفِ دین زندگی دیکھ کر صراطِ مستقیم پر آئے اور آپ کی اچانک وفات کے نتیجہ میں ناقابلِ تلافی نقصان اور پُر نہ ہونے والا خلا دیکھ کر شدید کرب و اندوہ میں مبتلا ہو گئے۔ وہ بزبانِ حال کہہ رہے ہیں۔

ع تم کیا گئے کہ روٹھ گئے دن بہار کے

## مناظرہ میں اعتدال

قائدِ اہلِ سنّت حضرت مولانا محمد منظور نعمانی دامت برکاتہم العالیہ (ساکن انڈیا) کے

ارشادِ گرامی کے مطابق میدانِ مناظرہ میں قدم رکھنے کے بعد راہِ اعتدال پر قائم رہنا اللہ تعالیٰ کے مقبول و باتوفیق بندوں کا ہی حصّہ ہے، ورنہ اس میدان میں اُترنے والوں کا افراط و تفریط کی دلدل میں پھنس جانا تجربہ کی بات ہے۔ مولانا نعمانی صاحب نے امام اہلِ سُنّت حضرت مولانا عبدالشکور فاروقی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر جو تعزیتی مضمون تحریر فرمایا تھا۔ اس میں علّامہ لکھنویؒ کو ایسے ہی بندگانِ خُدا میں شامل فرمایا ہے۔ راقم السُّطور نے اس کا اپنے دَور میں مشاہدہ کیا ہے کون نہیں جانتا کہ کتنے ہی فارغ التحصیل حضرات جب ردِّ شرک و بدعت پر کام کرنے لگے اور میدانِ مناظرہ میں چھلانگ لگائی تو اپنے اکابر اہلِ سُنّت کے متفق علیہ مسلک کو ہی نظری بنا کر رکھ دیا اور جن احادیث و روایات پر اکابر نے اعتماد کیا۔ پڑھا پڑھایا اُن کے ضعیف و موضوع ہونے کی گردان شروع کر دی اور ان احادیث کی اشاعت کو شرک و بدعت کی تقویّت کا باعث قرار دینے لگے۔

دوسری طرف رسوم و بدعات میں مُبتلا اشخاص پر بلا تامُّل مُشرک کا فتوٰی لگا دیا۔ اسی طرح بعض نے تردیدِ رفض کا محاذ سنبھالا۔ اور مناظرے شروع کیے۔ رفتہ رفتہ خوارج کی ڈگر پر چلتے ہُوئے حضراتِ اہلِ بیتِ عظام میں کیڑے نکالنے شروع کر دیے۔ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) سیّدنا علی رضی اللہ عنہ کو حروب میں جمہور کے مسلک کے بالکل برعکس "خطا کار و اقتدار پرست" امام حسن امام حسین رضی اللہ عنہما کو باغی اور شرفِ صحابیت سے بھی محروم کہنا شروع کیا۔ اس کے مقابلہ میں یزید کو نہ صرف صالح بلکہ خلیفۂ راشد قرار دیا کسی نے سیّدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کی حروب میں خطائے اجتہادی کو عِنادی کہنا حقِ تحقیق کی ادائیگی خیال کیا اسی قسم کے لوگ آج دُشمنانِ صحابہ کے لیے ڈھارس اور مسلکِ اہلِ سُنّت کے دفاع کے لیے کام کرنے والوں کے لیے مارِ آستین ہیں۔ حضرت قاری صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تردیدِ فرقِ باطلہ کے میدان میں سب سے پہلے رضاخانیت کا تعاقب کیا۔ جس نے اہلِ سُنّت کے نام سے دینِ اسلام کی حقیقی و سچّی تصویر مسلمانوں کے اذہان سے اوجھل کر کے رسوم و بدعات کو رائج کرنے اور سُنَنِ نبویہ کو مٹانے کا ٹھیکہ لیا ہُوا ہے۔ آپ نے عُلمائے کرام کی امداد و ضرورت کے لیے رضاخانیوں کی نایاب حوالجاتی کُتب و رسائل کی اشاعت کا اہتمام فرمایا۔ اسی طرح آپ ایک بار "منکرینِ حیات" سے مباحثہ کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ ایک دفعہ ایک "بہائی" فرقہ کے شخص سے بات کرنے اس کے گھر پہنچ گئے۔ نہ معلوم پھر کیا بنا۔ بہرکیف

اس میدان میں اُترنے کے باوجود کیا مجال کہ اپنے اکابر اہلِ سُنّت والجماعت کی طرف سے متعین کردہ دائرہ سے سرِ مُو انحراف کریں آپ اکابر پہ اعتماد کو ہی ضلالت والحاد اور جملہ فتن سے حفاظت کا مؤثر ہتھیار قرار دیتے تھے۔ ع خدا بخشے بہت ہی خوبیاں تھیں مرنے والے میں۔

## اِتباعِ سُنّت

کسی شخص کے محبوب و مقبول عنداللہ ہونے کے لیے اس سے کرامات کا صادر ہونا ضروری ہے نہ رجوع کرنے والوں کی کثرت اور مال و دولت اور سامانِ تعیُّش کی فراوانی لازمی ہے۔ نہ اخبارات و اشتہارات اور ذرائع ابلاغ کی تشہیر روز مرّہ ہوائی جہازوں میں پرواز درکار ہے۔ نہ حکومتوں سے مراسم و روابط جوشِ خطابت اور زورِ قلم شرط ہے۔ نہ دلوں کو جیت لینے والی خوش آوازی اس کے لیے بس شرطِ اوّلین اتّباعِ سُنّت ہے۔ اس کے بغیر ولایت کا دعویٰ ایک شعبدہ بازی اور ڈھونگ ہے اور ایسے مفلس و قلاش کو ولی خیال کرنا نری حماقت، ایک عظیم المیہ ہے کہ ہر چیز کا معیار اور پیمانہ ہی بدلتا جارہا ہے۔ بھائی صاحب رحمۃ اللہ علیہ خدا رسیدہ بندوں میں شامل تھے۔ ہر وقت زبان ذکرِ الٰہی سے تر رہتی۔ سفر و حضر میں اوراد و وظائف اور اپنے معمولات پُورا کرنے کا اہتمام کرتے رات گئے تک احباب و متعلقین مجلس لگائے رکھتے اور مجلس برخاست ہونے پہ دنیا گھر جاکر سوجاتی اور بھائی صاحبؒ تاریکی میں یکسو ہوکر سورتوں کی تلاوت اور ضروری تسبیحات پُوری کرکے باطن کی بیٹری چارج کرتے۔ سُنّت کے مطابق ان کی شلوار ہمیشہ تقریباً نصف ساق تک رہتی۔ طعام کی سُنّتوں کا بھی حتی الامکان خیال رکھتے۔ سالن کے برتن کو خُوب صاف کرنا اُنگلیوں کو چاٹنا اور روٹی کے ریزوں کو اُٹھا کر کھانے میں اُنہیں لُطف آتا۔ چونکہ یہ مسنون اعمال ہیں۔ اس بارہ میں وہ لَا یَخَافُ فِی اللّٰہِ لومۃ لائمٍ کا نمونہ تھے۔ قدیم و جدید بدعات و محدثات کو مٹانا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سُنّتوں کو رائج کرنا ان کی زندگی کا حاصل تھا۔ کھڑے ہوکر اور میز پہ کھانے کی مجلس سے احتراز کرتے اُن کی محبت بھری اداؤں کو دیکھ کر رشک آتا اور حیرت ہوتی۔ ہمارے اکابر اہلِ سُنّت والجماعت دارالعلوم دیوبند کا اتّباعِ سُنّت خاص امتیازی وصف تھا۔

# انتقالِ پُرملال

مورخہ ۲۹ ذی قعد ۱۴۱۷ھ / ۷ اپریل ۱۹۹۷ء پیر و منگل کی درمیانی شب ہمارے دوست محمد نوید کے والد گرامی جناب عبدالحفیظ صاحب انتقال فرما گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ گزشتہ سال آپ کے بڑے بھائی جناب محمد سعید صاحب انتقال کر گئے تھے۔ اُن کے انتقال کے بعد آپ مسلسل بیمار رہنے لگے تھے وفات سے چند روز پیشتر طبیعت زیادہ خراب ہوگئی جس کی وجہ سے ہسپتال لے جانا پڑا۔ ہسپتال میں آپ کو دِل کا دَورہ پڑا جس کے بعد آپ بیہوش ہوگئے۔ تیرہ دِن بیہوش رہنے کے بعد آپ کی رُوح قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور آپ اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

مرحوم بڑے خلیق، ملنسار اور انسان دوست ہونے کے ساتھ ساتھ صوم وصلوٰۃ کے پابند اور تہجد گزار تھے، اہلِ علم سے محبّت اور دینی کاموں میں مال و متاع خرچ کرنیکا خاص جذبہ رکھتے تھے، جامعہ کے ساتھ خصوصی تعلّق تھا۔ ہر سال مسجد میں سفیدی اور رنگ و روغن کا اہتمام اپنے خرچ سے کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولاد بھی نیک عطا فرمائی ہے جو سب کی سب ماشاء اللہ نماز روزہ کی پابند اور آپ کے لیے صدقہ جاریہ ہے۔

آپ کی انتہائی خوش بختی ہے کہ آپ کو وفات کے بعد بہت سے بزرگوں کے جوار اور بانیٔ جامعہ حضرت اقدس مولانا سیّد حامد میاں رحمہ اللہ کے قدموں میں جگہ ملی جو آپ کے لیے کسی سعادت سے کم نہیں، اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ آپ کی بال بال مغفرت فرمائے، آپ کے درجات بلند فرمائے اور آپکے اَخلاف کو آپ کے نقشِ قدم پہ چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔

(نعیم الدین)

حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری (قسط: ۱۱)

# حیلے اور بہانے

## اس دھوکہ کی تردید کہ حج کرلیا ہے تو حقوق کی ادائیگی کی حاجت نہیں

(۴۱) بہت سے لوگ اس خیال میں رہتے ہیں کہ ہم نے حج کرلیا ہے جس کی وجہ سے ہر گناہ معاف ہو گیا اور چونکہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں بندوں کے حقوق معاف ہونے کی بھی دعا فرمائی تھی۔ اس وجہ سے وہ بھی معاف ہو گئے۔ اس لیے اگر حقوق کی ادائیگی نہ کی جائے تو آخرت میں کوئی مؤاخذہ نہیں۔ العیاذ باللہ

ماشاء اللہ! نفس و شیطان نے کیسا پُر فریب حیلہ سمجھایا ہے، اس کا مطلب تو یہ ہُوا کہ ہر سال لوگوں کے ایک لاکھ روپے مار لیا کرے اور بیس پچیس ہزار میں حج کرلیا کرے، ہزاروں ہزار کی بچت ہُوا کرے گی، گویا حقوق العباد اور قرضوں کے بارے میں جو سخت وعیدیں اور تنبیہات احادیث شریفہ میں آئی ہیں وہ سب یوں ہی بے معنی ہیں۔ (العیاذ باللہ)

اوّل تو اپنے حجوں کو دیکھنا چاہیے کہ حلال مال سے ہیں یا نہیں پھر احکامِ حج میں کتنا قصور کیا ہے۔ واجبات کتنے ترک کیے ہیں۔ سُنتوں کی کتنی خلاف ورزی کی ہے نمازیں (سفرِ حج کے درمیان) کتنی چھوڑی ہیں اور حج میں ریا کاری کا کتنا جذبہ موجود تھا۔ حج مبرور و مقبول ہو تو اس کے نتائج و ثمرات برآمد ہوں۔ پھر اگر حج کرلینے سے اگلے پچھلے سب حقوق اور قرضہ جات معاف ہو جایا کرتے، تو حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم (جن کی موجودگی میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزدلفہ میں دُعا فرمائی تھی) لوگوں کے خُوب مال مارا کرتے اور خوب غصب کیا کرتے اور لوگوں کی بے جا مار پیٹ کیا کرتے اور خیانتیں کرکے لوگوں کے مال دبا لیا کرتے۔ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے تو حدیث کا یہ مطلب نہیں سمجھا کہ دیدہ و

دانستہ لوگوں کے حق مار لو ——— نہ حقوق کی ادائیگی کرو اور نہ معافی مانگ کہ معاملہ صاف کرو، نیز حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد سے لے کر آج تک محدثین یا ائمۂ مجتہدین نے یا کسی بھی مذہب کے کسی فقیہہ یا مفتی نے یہ نہیں بتایا کہ حقوق اور مظالم سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لیے موت سے قبل ایک حج کر لو، نہ کسی کو کچھ دینا ہوگا نہ معافی مانگنی پڑے گی نہ قرضوں کی ادائیگی کی ضرورت ہوگی۔ اگر کسی جاہل نے حدیث کا یہ مطلب سمجھا ہے کہ حقوق دباؤ اور مال مارو اور لوگوں پر اچھی طرح ظلم ڈھاؤ، پھر ایک حج کر کے سب سے پاک وصاف ہو جاؤ، تو یہ اس کی اپنی جہالت وحماقت ہے اور نفس وشیطان کا دھوکہ ہے

یوں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات میں یوں دعا کی کہ اے رب اگر آپ چاہیں تو مظلوم کو جنت دے دیں اور ظالم کی مغفرت فرما دیں، یہ دعا عرفات میں مقبول نہیں ہوئی صبح کو مزدلفہ میں پھر دعا کی تو یہ دعا قبول ہوگئی۔ (دیکھو الفاظ حدیث سنن ابن ماجہ کتاب الحج ص ۲۱۶)

اس حدیث میں کوئی ایسا وعدہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ مظلوم کو اپنے پاس سے حقوق عنایت فرما کر ہر حاجی کو خواہ کیسا ہی ظالم ہو بخش ہی دیں گے۔

حدیث کا مطلب اتنا سا ہے کہ اللہ چاہے تو مظلوم کو اپنے پاس سے دے دے اور ظالم کو بخش دے، دارومدار اللہ عزّ وجل کی مشیت پر ہے جیسا کہ دوسرے گناہوں کا بھی یہ ہی معاملہ ہے، سورۂ نساء میں ارشاد ہے۔

| | |
|---|---|
| اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ | بیشک اللہ اس کی مغفرت نہیں |
| یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ | فرمائے گا کہ اس کے ساتھ شرک |
| مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ | کیا جائے اور اس کے سوا جس کو |
| یَّشَآءُ | چاہے گا بخش دے گا۔ |

اب حاجی اور غیر حاجی کے پاس وہ کونسی سند ہے جس کی وجہ سے اپنے بارہ میں یقینی طور پر یہ طے کر کے بیٹھ جائے کہ مجھ سے کوئی مواخذہ نہیں ہوگا اور میں بلا حساب وبلا عذاب جنت میں چلا جاؤں گا۔ شیطان بہت بڑا دشمن ہے اور بہت بڑا چالباز بھی ہے، انسانوں کو عذاب میں مبتلا کرنے کے لیے کیسی کیسی پٹی پڑھاتا ہے۔ یہ تو بحث ہے حدیث کے مضمون کے

متعلّق جو اس کے الفاظ سے اچھی طرح واضح ہے، لیکن ساتھ ہی حدیث کی سند بھی دیکھنی چاہیے حدیث کی سند میں عبداللہ بن کنانہ ایک راوی ہے اس کے بارے میں محشی ابن ماجہ علّامہ سندھی رحمہ اللہ نے زوائد ابن ماجہ سے نقل کیا ہے۔ قال البخاری لم یصح حدیثہ یعنی امام بخاریؒ نے فرمایا ہے کہ ان کی روایت کردہ حدیث صحیح نہیں ہے۔ اور حافظ ابن جوزی نے عبداللہ بن کنانہ کے والد کنانہ کے بارے میں لکھا ہے کہ "منکر الحدیث جدّاً" اور کنانہ کی وجہ سے اُنھوں نے حدیث کو موضوعات میں شمار کیا ہے اگر موضوع نہیں تو ضعف سے پھر بھی خالی نہیں ہے

ایسی ضعیف حدیث کو بُنیاد بنا کر لوگوں کے مال مارنا اور حقوق دبا لینا اور حج کر کے اپنے آپ کو پاک وصاف سمجھ لینا بہت بڑی حماقت ہے اور فریب نفس ہے اور کیا ذخیرۂ حدیث میں یہی ایک حدیث ہے جسے محدثین نے ضعیف اور بعض نے موضوع کہا ہے، کثیر تعداد میں جو احادیث حقوق العباد کی تلافی کے بارے میں آئی ہیں ان کو کیوں بھلا رہے ہیں، کسی کی غیبت کرنے کسی پر تہمت لگانے یا آبروریزی کرنے یا قرضہ لے کر ادائیگی کا انتظام کیے بغیر مرجانے اور شریکوں کے آپس میں خیانت کرنے اور کسی کی زمین دبا لینے[1] کے بارے میں جو صحیح السند احادیث میں وعیدیں آئی ہیں، ان کی طرف سے قصداً غافل ہو جانے سے کیا آخرت میں چھٹکارا ہو جائے گا؟

## مرنے والے کی جائیداد سے اس کی بیوی کا حصہ نہ دینے کا غلط حیلہ

(۴۲) بہت سے دینداری کے مدعی مرنے والے بھائی کی جائداد سے اس کی بیوی کا حصّہ نہیں دیتے بلکہ اس کو مجبور کرتے ہیں کہ تو ہمارے ساتھ نکاح کر لے، وہ بیچاری مجبوراً نکاح کر لیتی ہے اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم نے شریعت کی پاسداری کر لی۔ حالانکہ نکاح کر لینے سے اس کے شوہر کی میراث سے جو شرعاً حصّہ اس کو ملتا ہے اس کا دبا لینا پھر بھی حلال نہیں ہوتا۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر عورت کو جائداد میں حصّہ دے دیا گیا تو ہماری زمین کا حصّہ دوسرے خاندان میں چلا جائے گا اگر چلا ہی گیا تو کیا ہُوا، بے چاری بیوہ عورت کا مال مارنے اور آخرت کے عذاب سے تو بچ جائیں گے۔

---

[1] اس طرح کی روایات ہم نے اپنی کتاب کسب و حلال اور ادائے حق میں لکھ دی ہیں۔ ان کا مطالعہ کیا جائے۔

## مرنے والے کے ترکہ میں سے لڑکیوں کو حصّہ نہ دینا

(۴۳) بعض علاقوں میں رواج ہے کہ میّت کے ترکہ میں سے اس کی لڑکیوں کو حصّہ نہیں دیتے بلکہ میّت کے لڑکے ہی سارا مال دبا لیتے ہیں جو سراسر اپنی بہنوں پر ظلم کرتے ہیں اور حرام کھاتے ہیں، بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ اپنا حق مانگتی نہیں ہیں اور معاف کرانے سے معاف بھی کر دیتی ہیں۔ لہٰذا یہ ہمارے لیے حلال ہے۔

واضح رہے کہ حق نہ مانگنا دلیل اس بات کی نہیں کہ انھوں نے دِل سے اپنا حق چھوڑ دیا اور رواجی طور پر اُوپر کے دل سے جو معافی ہوتی ہے۔ اس کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں... وہ بیچاری جانتی ہیں کہ ہمارا حصّہ تو ہم کو ملنا ہے ہی نہیں، حق مانگ کر بھائیوں سے بگاڑ کیوں کریں۔ یہ سوچ کر وہ اپنا حق طلب کرنے سے خاموش رہتی ہیں اور معافی مانگنے سے معافی کے الفاظ بھی کہہ دیتی ہیں، صحیح طریقہ کار یہ ہے کہ ان کا حصّہ بانٹ کر ان کو دے کر قبضہ کرا دیا جائے اور بتا دیا جائے کہ لو یہ تمہارا حصّہ ہے۔ اور ان کے حصّہ کی جائداد کی جتنی بھی آمدنی ہو ان کو دے دیا کریں۔ پھر اگر وہ اس کے باوجود معاف کر دیں تو معافی کا اعتبار ہوگا، مجبوری والی رسمی معافی کا اعتبار نہیں، بعض لوگ نفس کو یوں سمجھا لیتے ہیں کہ بھائی زندگی بھر ان کو ان کی سسرال سے بُلائیں گے، بچّوں سمیت آئیں گی، کھائیں گی پئیں گی، اس سے ان کا حق ادا ہو جائے گا۔

یہ سب خود فریبی ہے۔ اوّل تو ان پر اتنا خرچ نہیں ہوتا، جتنا میراث سے ان کا حصّہ نکلتا ہے۔ دوسرے صلہ رحمی کرنی ہے تو اپنے مال سے کرو، پیسہ ان کا اور احسان آپ جتلاتے ہیں کہ ہم نے بہن کو بلایا ہے اور ان پر خرچ کیا ہے، یہ کیا صلہ رحمی ہوئی؟ تیسرے ان سے معاملہ کرو کیا وہ اس سودے پر راضی ہیں؟ یک طرفہ فیصلہ کیسے کر لیا؟ پھر یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ بہنوں کو جبھی تک بلائیں گے جب تک بہن بھائی زندہ رہیں گے اور جائداد میں جو اُن کا حصّہ ہے اس میں ان کی مستقل شرکت ہے جو ان کی اولاد در اولاد منتقل ہوتی رہے گی، بہنوں کا تھوڑا سا خرچ کر کے ہمیشہ کے لیے انہیں اور ان کی نسل کو حصّۂ شرعی سے محروم کر دینا کسی طرح بھی حلال نہیں۔

## بیویوں کو مہر نہ دینا اور رسمی طور پر معاف کرا لینا

(۴۴) اکثر بیوی کا مہر ادا نہیں کرتے ہیں اور رسمی طور پر معاف کرا لیتے ہیں۔ بیوی یہ سمجھتی ہے کہ

شوہر کے ساتھ بدمزگی پیدا ہوجائے تو اس سے زندگی دوبھر ہوجائے گی اور مہر بہرحال ملنا ہے نہیں، لہٰذا معافی کے الفاظ ہی کہہ دوں، لہٰذا وہ رسمی طور پر اُوپر کے دِل سے معاف کر دیتی ہے۔ ایسی رسمی معافی کا شرعاً کوئی اعتبار نہیں ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہے

فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓئًا مَّرِيْٓئًا۔ (سورۃ نساء رکوع ۱)

سو اگر تمہاری بیویاں نفس کی خوشی سے مہر کا کچھ حصہ چھوڑ دیں تو اس کو مرغوب اور خوشگوار سمجھ کر کھالو۔

دیکھو اللہ جل شانہٗ نے یوں ارشاد فرمایا کہ جو "نفس کی خوشی سے چھوڑ دے اس کو کھالو" اس سے معلوم ہوا کہ اُوپر کے دل سے رسمی طور پر معاف کر دینے سے حلال نہیں ہوتا اگر ان کے نفس کی خوشی معلوم کرنا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے پُورا مہر اس کے ہاتھ میں دے دو اور خُوب صاف واضح الفاظ میں بتا دو کہ یہ تیرا مال ہے جو چاہے کر... تجھے پُورا اختیار ہے، پھر بھی وہ اپنی خوشی سے دے دے تو قبول کرلو، اُوپر کی جھوٹی معافی کو حیلہ بنا کر ان کا مال نہ دباؤ۔

## لڑکیوں کا مہر اُن کو نہ دینا بلکہ باپ یا وَلی کے خود لینے کی تردید

(۴۵) لڑکیوں کی شادی کر دی جاتی ہے اور ان کا مہر والد یا دوسرا کوئی وصول کرلیتا ہے۔ وصول کر لینا اور لڑکی کی ملکیت جانتے ہُوئے اس کو دینے کی نیت سے محفوظ رکھنا یہ تو ٹھیک ہے لیکن لڑکی سے پُوچھے بغیر اس کے مال کو اپنے تصرف میں لانا اور اپنا ہی سمجھ لینا، پھر اس کو کبھی بھی نہ دینا یا اُوپر کے دِل سے جھوٹی معافی کرالینا یہ حلال نہیں ہے اس سے مظلومہ لڑکی کا مال حلال نہیں ہوگا۔

بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ صاحب ہم نے جو شادی میں خرچ کیا ہے اس کے بدلہ یہ رقم وصول کر لی یا جہیز میں لگادی، حالانکہ یہ لوگ رواجی اخراجات کرتے ہیں۔ عموماً یہ سب کچھ نام و نمود کے لیے ہوتا ہے اور بہت سے کام شریعت کے خلاف بھی ہوتے ہیں۔ گانا بجانا ناچ رنگ یہ سب کچھ ہوتا ہے۔ جہیز بھی دکھاوے کے لیے دیا جاتا ہے اور وہ چیزیں دی جاتی ہیں جو زندگی بھر کبھی کام بھی نہ آئیں۔ سب جانتے ہیں کہ خلاف شرع اور دکھاوے کے لیے تو اپنا مال خرچ کرنا بھی حرام ہے، پھر بے زبان لڑکی کا مال اس طرح خرچ کرنا کیسے حلال ہوسکتا ہے؟ جو خرچ کریں، شریعت کے موافق خرچ کریں اور وہ بھی اپنے مال سے نہ کہ لڑکی کے مہر سے، کیونکہ اس کے مال سے بلا اس کی اجازت کے خرچ کرنا ظلم ہے۔ اس سے

پُوچھتے تک نہیں اور اس کا مال اُڑا دیتے ہیں۔ یہ سراسر ظلم ہے

٭٭

## مالیات میں رواجی خاموشی معتبر نہیں

اور واضح رہے کہ اس کی خاموشی کو بہانہ بنا کر اس کا مہر خود رکھ لینا یا شادی میں لگا دینا حلال نہیں ہے۔ رواجی خاموشی مالیات کے بارے میں معتبر نہیں اس کی رقم اس کو دے دو اور اس پر کسی قسم کا جبر نہ ہو۔ اس کو بدنامی اور رواج کا ڈر نہ ہو، پھر وہ خوشی سے جو کچھ آپ کو دے دے، اس کو اپنا حق سمجھ سکتے ہیں۔

## شرعی شادی میں کوئی خرچہ نہیں ہے

یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ شرعی شادی میں کوئی خرچہ نہیں ہے۔ ایجاب و قبول سے نکاح ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد رُخصت کر دو۔ سواری کا خرچ بھی شوہر دے گا جو اپنی بیوی کو لے جا رہا ہے لڑکی یا اس کے ولی کے ذمّہ کوئی خرچہ نہیں آتا۔ رواجی کام اور نام و نمود کے قصّوں نے خلافِ شرع کاموں پر لگا رکھا ہے۔

یُوں کہنے والے بھی ملتے ہیں کہ ہم نے پیدائش سے لے کر آج تک اس پر خرچہ کیا ہے۔ وہ ہم نے وصول کر لیا۔ یہ بھی جاہلانہ جواب ہے۔ کیونکہ شرعاً آپ پر اس کی پرورش واجب تھی۔ لہٰذا آپ نے اپنا واجب ادا کیا۔ جس کی پرورش شرعاً اپنے مال سے واجب تھی اس کی پرورش کے بدلہ مال وصول کرنا خلافِ شرع تو ہے ہی، خلافِ محبّت اور خلافِ شفقت بھی ہے، گویا کہ آپ جو آج تک اس کی پرورش پر خرچ کرتے آئے ہیں وہ ایک سودے بازی تھی اور وہ بھی بلا حساب کتاب۔ جس کی کوئی لکھا پڑھی نہیں۔ خرچ تو کیے دو چار ہزار اور وصول کر لیے بیس تیس ہزار، کیا اپنی اولاد کے ساتھ یہی انصاف ہے؟ دوسرے یہ کہ کسی پر اُدھار خرچ کر کے اس کے مال سے وصول کر لینا، تو یہ تو غیر بھی کر دیتے ہیں آپ نے اپنی اولاد کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ غور کرنے کی بات ہے۔

بنت حامد بن محمدؐ

(قسط:۴)

# حجاب

بیان کردہ تفصیل کے ہوتے ہوئے حجابِ شرعی کی کسی ایک چھوٹی سے چھوٹی قید کو اُٹھا کر اسلامی دُنیا کو یہ توقع نہ رکھنی چاہیے کہ وہ آئندہ ان ضروری قیود کو بحالہا باقی رکھ سکے گی جن کو آج وہ غیر ضروری خیال کر رہی ہے۔ ہوا پرستی کی سب سے نیچے کی کڑی اپنے سے اُوپر کی کڑیوں کو اس وقت تک کھینچتی رہتی ہے جب تک کہ اس زنجیر کے پورے حلقہ کو مکمل نہ کرے۔ آخر جن اقوام میں موجودہ بے حجابی یا مروجہ بے حجابی آئی وہ ایک دم اور ابتداءً نہیں آگئی، بلکہ پہلے اس کے وہی مراتب زیرِ عمل آئے، جن کو ہنگامی سوسائٹی نے عاقبت ناشناسی سے ہلکا اور غیر مضر سمجھ کر رواج دیا، لیکن بالآخر یہ اقوام قدرتی اُصول کے ماتحت بے حجابی کی اسی انتہا کو پہنچ کر رہیں، جس سے بچنے کے لیے حجاب کے ابتدائی مراتب قائم کیے گئے ہیں۔ طبعِ بشری کا خاصہ ہی یہ ہے کہ وہ حد شکنی کے بعد بقیہ حدود کو قائم نہیں رکھ سکتی۔ پس کیا مسلمانوں کو اس کی توقع ہے کہ وہ موجودہ دَور کے بے حجابوں کی اندھی تقلید میں چہروں کا حجاب اُٹھا کر ان بے حجابیوں تک نہ پہنچیں گی جن تک ان کے یورپین معلّمین پہنچ چکے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللهِ تَبْدِيلًا

بلکہ اس حقیقت کو عام اُصولی الفاظ میں یُوں سمجھ لینا چاہیے کہ تعلماتِ نبوّت کو چھوڑ کر جب بھی لوگ اپنی عقلوں کو رہنما بنائیں گے تو وہ تباہیوں کا شکار ہو کر رہیں گے۔ نجات، اتباع میں ہی منحصر ہے۔ ابتداع اور اختراعِ عقل انجام کار بربادی تک پہنچا کر چھوڑتا ہے۔

قرآن اور سُنّت نے جس نظام معاشرت کی دُنیا کو تعلیم دی ہے۔ وہ طہارت و تقویٰ عفت و عصمت، پاک دامنی عزّت و آبرو اور امن و عافیت کا ضامن ہے مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے اسلام

ہی کی بدولت عزّت عطا فرمائی ہے، مسلمان کی ایمانی غیرت اور دینی جذبۂ حمیت کو ہرگز یہ گوارہ نہ ہونا چاہیے کہ وہ اسلامی طرزِ معاشرت چھوڑ کر غیروں کی وضع قطع اور طور و طریق اور تمدّن و معاشرت اختیار کرے۔ یورپ اور مغرب کے یہود و نصاریٰ اور بے دین دہریے اسلام اور مسلمانوں کے نہایت خطرناک دشمن ہیں۔ انھوں نے ہم میں سے ناقص الفہم لوگوں کو آزادیِ نسواں کا سبق رٹا کر بے حجابی بے حیائی عریانیت اور بدکاری میں مبتلا کر دیا اور طرح طرح کی گندگیاں اسلام کے عفت و عصمت مآب نظامِ معاشرت میں پیدا کرنے کے لیے مختلف قسم کے جال پھیلا دیے جس میں اسلام اور قرآن و سنّت سے قوی محبّت نہ رکھنے والے لوگ بڑی تیزی سے پھنستے جا رہے ہیں۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ

آج یورپ و امریکہ جس اخلاقی تباہی و بربادی اور فواحش اور بدکاریوں میں گرفتار ہیں، اس کی ابتدا بے پردگی ہی سے ہوئی۔ بے پردگی نے جسمانی زیبائش کا راستہ کھولا۔ پھر اُس نے بے حیائی کی صورت اختیار کی اور پھر بے حیائی نے عریانی اور بدکاری کے سارے دروازے کھول دیے۔ وہ یورپ جس نے آزادیٔ نسواں کے پُرفریب نام سے دُنیا میں گندگی پھیلائی اس کے متعلّق غیر نہیں بلکہ انگلستان کی شریف النفس عورت نے حسرت و ندامت سے اپنے ملک کی عورتوں کے متعلّق ایک مقالہ لکھا، جس کا ترجمہ مصر کے ماہنامہ "المنار" میں شائع ہوا اس میں وہ لکھتی ہے۔

"انگلستان کی عورتیں اپنی تمام عفت و عصمت کھو چکی ہیں اور ان میں بہت کم ایسی ملیں گی جنھوں نے اپنے دامن عصمت کو حرام کاری کے دھبہ سے آلودہ نہ کیا ہو۔ ان میں شرم و حیا نام کو بھی نہیں اور ایسی آزادانہ زندگی بسر کرتی ہیں کہ اس ناجائز آزادی نے انہیں اس قابل رہنے ہی نہیں دیا کہ ان کو انسانوں کے زمرہ میں شامل کیا جائے ہمیں سرزمینِ مشرق کی مسلمان خواتین پر رشک آتا ہے جو نہایت دیانت اور تقوٰی کے ساتھ اپنے شوہروں کے زیرِ فرمان رہتی ہیں اور ان کی عصمت کا لباس گناہ کے داغ سے ناپاک نہیں ہوتا وہ جس قدر فخر کریں بجا ہے اور اب وہ وقت آگیا ہے کہ اسلامی احکام شریعت کی ترویج سے انگلستان کی عورتوں کی عفت کو محفوظ کیا جا سکے۔"[1]

بہرکیف قرآن و حدیث نے مسئلۂ حجاب کو روشن اور واضح دلائل کے ساتھ بیان فرما دیا ہے۔ جس میں کسی قسم کے شک و تردد کی گنجائش نہیں۔

---

[1] معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی

بنت مولانا محمد یعقوب صاحب
ناظم جامعہ مدنیہ لاہور

# صبر و صلوٰۃ کے ساتھ استعانت

صبر و صلوٰۃ کے ساتھ استعانت کا مطلب ہے ہر مشکل، پریشانی اور مصیبت کے وقت نماز اور صبر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنا۔

دُنیا کے مصائب و آلام میں صبر و نماز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مدد طلب کرتے رہنے میں ہی دُنیا و عقبیٰ کی کامرانی و سرفرازی مضمر ہے، صبر و استقامت ہی وہ چیز ہے جو انسان کو مایوسیوں کی دلدل میں پھنسنے سے بچاتی ہے۔ زندگی کی تاریکیوں میں اُمّید کی کرن بن کر چراغ روشن کا کام دیتی ہے۔

## صبر و صلوٰت کامیابی کا ذریعہ

ہر شخص میں تحمّل اور مقابلہ کا ملکہ طبعاً موجود ہوتا ہے اس ملکہ کو زندہ رکھنا اور اس کا صحیح اور حسبِ موقع استعمال کرنا ہی صبر ہے یہ وہ خوبی ہے جس کی ہر حال میں ضرورت ہوتی ہے یعنی دُشواری میں بھی اور آسانی میں بھی، بے سرو سامانی میں بھی اور حشمت و شوکت میں بھی۔ بڑی سے بڑی مشکل اور مہم آپڑے اور آدمی صبر و سکون کے ساتھ نماز پڑھ کر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرتا رہے تو اللہ تعالیٰ اُسے کبھی بھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑتے، اور وہ کبھی بھی مشکلات سے گھبرا کر دل برداشتہ نہیں ہوتا اور آخر کار وہ کامیاب ہو جاتا ہے۔

ارشادِ ربّانی ہے۔

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ"

اے ایمان والو تم مدد طلب کرو صبر اور نماز کے ساتھ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

ایمان اور صبر لازم و ملزوم ہیں۔ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو شانِ عظمت بخشتے ہوئے صبر اور نماز کے ساتھ

اپنے سے مدد مانگنے کا حکم دیتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اہلِ ایمان کے لیے خوشخبری ہے کہ اُنھیں ایمان لانے کے بعد صبر و صلوٰۃ کے ساتھ حالات کا مردانہ وار مقابلہ کرنے پر اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے۔

سبحان اللہ۔ یہ اس کی شانِ رحیمی ہے تو ہے کہ وہ اپنے بندوں کو کسی حال میں بھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا اور جب اللہ تعالیٰ خود انسان کا سہارا بن جائے تو اس کے لیے دوسرے سہارے کی احتیاج باقی نہیں رہتی اور حقیقتاً وہی انسان دُنیا و عقبیٰ میں کامیاب و سرخرو ہو سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی مدد اور سہارا نصیب ہو جائے۔

## صبر کے مراتب

صبر کے کئی مدارج ہیں جن کا تعلّق اس کے مقصود سے ہوتا ہے۔ اگر صبر سے مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہو تو یہ صبر کا بلند ترین درجہ ہوگا۔ صبر کا کمال یہ ہے کہ آدمی پہ کوئی مشکل یا آزمائش کتنی ہی اچانک کیوں نہ آئے۔ اس کے حواس بجا رہیں اور اعتقاد میں فرق نہ آئے۔ ویسے تو آہستہ آہستہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ سب کو قرار آ ہی جاتا ہے اس لیے صحیح معنیٰ میں صابر شخص وہ ہے کہ بڑے سے بڑے صدمہ پر بھی نہ گھبرائے۔ صبر یہ نہیں کہ آدمی رو رو کر بے حال ہو جائے جب کچھ بس نہ چلے اور رونے کی طاقت نہ رہے تو کہے مَیں نے صبر کیا، صبر یہ نہیں کہ اپنا سینہ پیٹ پیٹ کر اور اپنے بال و گال نوچ نوچ کر واویلا مچائے سب کو پریشان کرے سارے ماحول کو ماتم کدہ بنائے اور اللہ تعالیٰ سے گلے شکوے کرے جب تھک ہار جائے تو کہے اچھا صبر ہی بھلا صبر تو یہ ہے کہ مصیبت پیش آتے ہی اللہ کی رضا میں راضی رہتے ہُوئے اپنے پر کنٹرول کرے، اور اللہ تعالیٰ سے شکوہ و شکایت اور جزع و فزع سے بچے چنانچہ حدیث شریف میں جناب رسالت مآبؐ کا ارشاد گرامی ہے۔

"حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم کا ایک عورت کے پاس سے گزر ہُوا جو ایک قبر کے پاس بیٹھی رو رہی تھی۔ آپؐ نے فرمایا تو اللہ سے ڈر اور صبر کر۔ وہ بولی آپ اپنی راہ لیجیے۔ آپ میرے جیسی مصیبت سے دوچار نہیں ہُوئے وہ عورت آپ کو نہ پہچان سکی جب اسے بتایا گیا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلّم تھے تو وہ عورت آپؐ کی خدمت میں حاضر ہُوئی اور عرض کی یا رسول اللہ مَیں نے آپ کو نہیں پہچانا تھا۔ آپؐ نے فرمایا بے شک صبر یہ ہے کہ پہلے صدمہ کے

وقت کیا جائے۔"

## صبر کی اہمیّت

صبر کو اس قدر اہمیّت حاصل ہے کہ قرآن حکیم میں تقریباً پچاس مقامات پر اس کا حکم آیا ہے۔ دُنیا صبر کی امتحان گاہ ہے۔ جن کو صبر و سکون کی دولت نصیب ہوتی ہے وہ مشکل کو مشکل نہیں سمجھتے۔ انہیں کوئی نقصان پریشان نہیں کرتا اور وہ دُکھ میں بے حال نہیں ہوتے۔ حوادث میں بھی مُسکراتے ہیں اور آزمائش کا سامنا کشادہ دلی سے کرتے ہیں ایسی ہی حالت کے بارے میں کہا گیا ہے۔

"وَاعْلَمْ اَنَّ النَّصْرَ مَعَ الصَّبْرِ وَ اَنَّ الْفَرَجَ مَعَ الْکَرْبِ وَ اَنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا"

اور تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ کی مدد صبر کے ساتھ ہے اور بے شک کشائش دُکھ کے ساتھ ہے اور بے شک تنگی کے ساتھ آسانی ہے۔

؎ رنج سے خوگر ہُوا انسان تو مٹ جاتا ہے رنج
مشکلیں اتنی پڑیں مجھ پر کہ آساں ہو گئیں

صبر اُمّید کا چراغ ہے صبر والوں کو جنّت جلد نصیب ہو گی۔ صبر کی ضرورت زندگی کے ہر شعبے میں ہے۔ صبر و استقامت کے بغیر کوئی مہم پروان نہیں چڑھتی زندگی جہدِ مسلسل کا نام ہے وہی شخص کامیاب رہ سکتا ہے جس کی ہمّت ہمیشہ بلند رہے اور ارادوں پہ مایوسی طاری نہ ہو، صبر نا اُمیدی کی تاریکی کو چاک کر کے زندگی کے سفر کو تابناک کر دیتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

"اَلصَّبْرُ ضِیَاءٌ" صبر روشنی ہے

صبر صرف یہ نہیں کہ مصیبت و آزمائش میں ہی اپنے پر قابو رکھا جائے بلکہ صبر کے معنی میں بڑی وسعت پائی جاتی ہے۔ صبر انسانی زندگی کے ہر شعبے کو گھیرے ہُوئے ہے علمی کاوشیں اور سائنسی تحقیقات ہوں یا حقوق اللہ و حقوق العباد و سادار کا کوئی کام ہو۔ کسی بھی کام کی انجام دہی صبر و ہمّت اور عزم و استقلال کے بغیر ممکن نہیں۔ صبر نہ ہو تو مایوسی دِل کو گھیر لیتی ہے اور ایمان کی قوّت چھین لیتی ہے مثلاً فقر فضیلت کا وسیلہ ہے، لیکن صبر کے بغیر اُلٹا کُفر کی طرف لے جاتا ہے۔ صبر ایمان کے لیے اس طرح ہے جس طرح جسم کے لیے سر، جب صبر گیا تو ایمان بھی رُخصت ہُوا۔

## صبر کی تربیت

صبر کی تربیت کے لیے اسلام میں کامل اہتمام کیا گیا ہے۔ مثلاً ہر سال رمضان کے روزے فرض ہیں۔ کوئی شخص روزہ رکھ کر توڑ ڈالے تو کفارہ یہ ہے کہ دو ماہ روزے رکھے۔ صبر کی مزید تربیت کے لیے رمضان کے علاوہ بھی وقتاً فوقتاً نفل روزوں کی ترغیب ہے۔ روزہ سے بھوک پیاس اور دُنیا کی مرغوبات کے مقابلہ پر صبر کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔

## صبر پر اجر

صبر کی کامیابیاں اسی زندگی کے لیے نہیں بلکہ آخرت کے لیے بھی ہیں۔ صبر کا اجر بے کنار ہے بشارت ربّانی ہے۔

"اِنَّمَا یُوَفَّی الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَھُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ" (۳۹ : ۱۰)

یقیناً صبر کرنے والوں کو بے حد و حساب اجر و ثواب دیا جائے گا۔

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ صبر سے بہتر اور کشادہ تر کوئی چیز نہیں۔ ارشاد نبوی ہے۔

کشادگی کا انتظار سب سے افضل عبادت ہے۔ (ترمذی)

صبر سے گناہ دھل جاتے ہیں حدیث قدسی ہے کہ جب مَیں اپنے مومن بندے کی کسی محبوب شے کو اس سے لے لیتا ہوں اور وہ اُس پر صبر کرتا ہے تو اسے جنّت سے نوازتا ہوں اور اس کا نعم البدل عطا کرتا ہوں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ مومن پر جب بھی کوئی سختی، بیماری یا فکرمندی و غم آئے یہاں تک کہ اسے کانٹا بھی چبھے تو اللہ اس کے عوض میں اس کی خطائیں معاف کر دیتے ہیں۔

جناب سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وسلّم کا ارشاد ہے کہ مومن کا معاملہ بھی خوب ہے۔ اس کی ساری بات میں بہتری ہوتی ہے۔ یہ بات سوائے مومن کے کسی اور کو حاصل نہیں"۔

زندگی کے آلام سے کون بھاگ سکتا ہے لیکن ایمان والوں کے لیے آلام اللہ کی رحمت کا بہانہ بن جاتے ہیں۔ ہر دُکھ کے عوض ان کا کوئی نہ کوئی گناہ مٹتا ہے۔ جو لوگ مصائب پر بے چینی کا اظہار کریں۔ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جائیں ان کے لیے دُنیا کا ہر دُکھ آخرت کے دُکھ کا موجب

(بقیہ بر صٓ ۵۷)

محترم سیّد امین گیلانی صاحب

# فَاذْكُرُونِىٓ اَذْكُرْكُمْ

اب کچھ بھی نہیں اُن کی تمنّا کے سوا یاد
آتی ہی نہیں اور کوئی مجھ کو دُعا یاد

محض اِس لیے پیاری ہے خُدا والوں سے میری
مَیں دیکھوں جو اُن کو مجھے آتا ہے خُدا یاد

تُو یاد ہمیں رکھ تجھے ہم یاد رکھیں گے
فرمان یہ اُن کا ہے مجھے صبح و مَسا یاد

اشکوں کا تِری یاد سے ہے کتنا تعلّق
آ جاتے ہیں اشک آنکھوں میں جب تجھکو کیا یاد

مختار ہیں وہ مجھ کو بُھلا دیں تو بُھلا دیں
مجبور ہوں مَیں مجھ کو وہ آتے ہیں سَدا یاد

انکار کروں، مجھ میں یہ طاقت ہی کہاں ہے
لبّیک کہونگا میں، مجھے جب بھی کِیا یاد

تیرے ہی ثنا خواں ہیں وہ قمری ہو کہ بُلبل
کرتے ہیں چمن میں تجھے گُل یاد، صَبا یاد

تیرا ہی جنوں جن کو ہے اُن اہلِ جنوں کو
غیروں کی جفا یاد نہ اپنی ہی وَفا یاد

تجھ سے جو لگا بیٹھے ہیں، دُنیا کو بُھلا کر
دنیا کے انہیں آئیں گے کیا جوَر و جفَا یاد

جلوت میں تِرا ذکر ہے، تسکینِ دل و جاں
خلوت میں ہے آتی تِری ایک ایک ادَا یاد

سُنتے ہی مِرے دِل کا دِیا جس سے جل اُٹھے
نغمہ کوئی ایسا بھی ہے لے نغمہ سَرا یاد

جب بھی کبھی ملتے پہ شکن اُن کے میں دیکھوں
آجاتی ہے کوئی نہ کوئی اپنی خطَا یاد

ایسے بھی مقام آئے رہِ عشق میں اے دوست
دل مجھ کو رہا یاد نہ میں دل کو رہا یاد

تُو آن بسا ہے مِرے ٹوٹے ہوئے دل میں
ہر دم مجھے رہتا ہے یہ احسان تِرا یاد

جس یاد کو تُو یاد رکھے، یاد وہی ہے
کرنے کو تو کرتے ہیں تجھے نا و شُما یاد

اللہ کو رکھ یاد امیںؔ یہ نہ کبھی سوچ
کس کس نے بھلایا تجھے، کس کس نے رکھا یاد

دارالافتاء

# اہلِ علم واہلِ فتوی کے غور وفکر کے لیے ایک مسئلہ

موجودہ دَور میں حرام کی جتنی کثرت اور اس کا جتنا شیوع ہے وہ کسی پر مخفی نہیں ہے۔ ان حالات میں دکاندار، اجیر اور مجیر کے لیے بڑا مسئلہ بنتا ہے کہ وہ کس کس کو انکار کرے اور نہ ہی انکار کرنے کی عام طور سے جرأت ہے؟ اس مسئلہ کے بارے میں جو کچھ تحریر کیا ہے۔ وہ اہلِ علم واہل فتوٰی کی خدمت میں پیش ہے کہ وہ غور فرمالیں۔ جن حضرات کو اتفاق نہ ہو وہ مدلّل جواب تحریر فرمائیں یہ اُن کا احسان ہوگا اور ان کی اجازت سے اس کو انوارِ مدینہ میں شائع بھی کر دیا جائے گا۔ وفوق کل ذِیْ علمٍ علیمٌ

بسم اللہ حامدا ومصلیا

آج کل کے دَور میں حرام کی جتنی کثرت ہے اس کا احصار مشکل ہوگیا ہے۔ سود اور رشوت تو عام چیزیں ہیں۔ بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں کی کتنی بہتات ہے اور ان سے سودی معاملات کرنے والے بے حدو حساب ہیں۔ انعامی بانڈوں کے نام سے سود اور جوئے کا ایک بڑا بازار گرم ہے۔ بیمہ والے اپنے جال پھینکے ہوتے ہیں۔ پھر ان بینکوں اور بیمہ کمپنیوں میں کام کرنے والے بھی لاکھوں میں ہیں۔ آڈیو وڈیو کی دکانیں جگہ جگہ کھلی ہوئی ہیں۔ فن کے نام پر فحاشی و بے حیائی کے طریقوں سے کتنی کچھ کمائی ہو رہی ہے۔ تصویر کا کاروبار تو گویا اب حرام ہی نہیں رہا معاذ اللہ سناروں کے سودی معاملات بھی کچھ کم نہیں۔ کھیل اور تفریح کے نام پر آمدنی کے بہت سے ناجائز ذرائع وجود میں آگئے ہیں۔ پھر دھوکہ فریب اور جعلی مال اور ملاوٹ جیسی قباحتیں بھی بے حساب پھیلی ہوئی ہیں۔ غرض حرام آمدنی کی آج کے دَور میں بہت ہی زیادہ کثرت ہے۔ پھر حرام کو جرأت بھی اتنی حاصل ہوگئی ہے کہ جادُو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔

ایسے میں جب لوگ حرام کمائی لے کر بازار میں نکلتے ہیں اور اپنی ضروریات کو خواہ وہ اعیان ہوں یا منافع ہوں۔ حرام پیسوں کے عوض میں حاصل کرنا چاہیں تو دکاندار ہو یا مجیر و اجیر ہوں وہ کیا کریں؟ کیا وہ حرام پیسے لے کر حرام پیسے والے کی ضرورت کو پورا کر دیں یا انکار کر دیں اور اگر انکار کرنے کی جرأت نہ ہو تو کیا کریں؟ اور یہ سوال بھی اس وقت ہیں جب معلوم ہو کہ پیسے والے کے پاس حرام کی کمائی ہے اور اگر علم نہ ہو تو کیا حرام پیسے لینے کے اثرات بھی نہ پڑیں گے

یہ اس دور کے کثیر الوقوع سوالات ہیں ان سوالات کے بارے میں جو فتاوٰی ہمیں ملتے ہیں وہ ذیل میں نقل کیے جاتے ہیں۔

۱۔ جن کی آمدنی بالکل حرام خالص ہے جیسے کسبی یا مے فروش یا سود خور وغیرہم ان کی نوکری ناجائز ہے اور جو تنخواہ اس سے ملتی ہو وہ حلال نہیں اور اسی طرح اپنی چیز اُس کے ہاتھ فروخت کر کے اسی مال حرام سے قیمت لینا بھی حلال نہیں ... الخ" (امداد الفتاوی ص ۳۷۷/۳)

۲۔ ... اور اُجرت لینا مال حرام سے حرام ہے۔ البتہ اگر وہ قرض لے کر دے دے اور اس کو (یعنی اجیر کو) یقین ہو جائے تو درست ہے۔ (امداد الفتاوی ص ۳۷۸/۳)

۳۔ "طوائف کے یہاں پانی بھرنا، اس کے کپڑے سینا یا دھونا یا اس کے ہاتھ کوئی چیز فروخت کرنا تو جائز ہے مگر ان چیزوں کے عوض میں طوائف جو پیسہ دیتی ہے وہ چونکہ حرام کی کمائی کا ہوتا ہے اس لیے وہ لینا مکروہ ہے۔ اگر طوائف کسی سے قرض لے کر دے دے تو وہ رقم لینی مباح ہے۔"

(کفایت المفتی ص ۳۳۸/۷)

۴۔ "رنڈی کو اپنی اشیاء مثلاً کپڑا، دودھ مٹھائی وغیرہ فروخت کرنا جائز نہیں جبکہ اس کی کمائی حرام کی ہو۔ ناقابلِ تحمل فتنہ کا خطرہ ہو تو اس سے قیمت لے کر صدقہ کر دی جائے۔"

احسن الفتاوی ص ۵۲۸/۷ (سوال کو جواب میں ضم کیا ہے)

ہمیں ان فتاوٰی کی حقانیت میں کوئی تردد نہیں ہے لیکن اب جبکہ حرام کی بہت زیادہ کثرت ہو گئی ہے اور حرام کو بہت جرأت بھی حاصل ہو گئی ہے تو کوئی کہاں تک قیمت کو صدقہ کرے گا اور کیونکر انکار کی جرأت کرے گا۔ ایک بینک کا ملازم مثلاً کسی پھل والے کی دکان پر جا کر یہ کہتا ہے کہ مجھے یہ پھل دے دو یا ایک پولیس افسر اپنی حیثیت سے بڑھ کر کوئی چیز خریدتا ہے۔ مثلاً کار خریدتا ہے اور معلوم بھی ہے کہ

وہ کھل کر رشوت لیتا ہے تو کیا دُکاندار اُن کو انکار کی جرأت کر سکتے ہیں اور کیا وہ کار فروخت کرنے والا کیا پوری رقم کو صدقہ کرنے کی ہمت رکھتا ہے۔

پھر موجودہ حالات میں کیا ہو؟ اگرچہ چھوٹا منہ بڑی بات ہے، لیکن بنام خدا جو سمجھ میں آیا تحریر کرتا ہوں اگر درست و صواب ہے تو فمن اللہ اور اگر غلط ہے تو فمنی و من الشیطان۔ اہلِ علم و اہلِ فتویٰ کی رائے کا متمنی ہوں خواہ موافق ہو یا مخالف۔

## حرام مال سے خریدی ہوئی شے مشتری کیلئے حلال و مباح ہے

رد المحتار میں یہ ضابطہ درج ہے

"توضیح المسئلة ما فی التتارخانیة حیث قال رجل اکتسب مالا من حرام ثم اشتری فهذا علی خمسة اوجه اما[1] ان دفع تلك الدراهم الی البائع اولا ثم اشتری منه بها او[2] اشتری قبل الدفع بها و دفعها او[3] اشتری قبل الدفع بها و دفع غیرها او[4] اشتری مطلقا و دفع تلك الدراهم او[5] اشتری بدراهم اخرو دفع تلك الدراهم... وقال الکرخی فی الوجه الاول والثانی لا یطیب و فی الثلاث الاخیرة یطیب۔ وقال ابوبکر لا یطیب فی الکل لکن الفتوی الآن علی قول الکرخی دفعا للحرج عن الناس اھ وفی الولوالجیة وقال بعضهم لا یطیب فی الوجوه کلها وهوالمختار لکن الفتوی الیوم علی قول الکرخی دفعا للحرج لکثرة الحرام اھ وعلی هذا مشی المصنف فی کتاب الغصب تبعا للدرر وغیرها"

(رد المحتار ص۲۴۴/۴، باب المتفرقات مطبوعہ کوئٹہ)

اس ضابطہ سے معلوم ہوا کہ آخری تین طریقوں سے خریدی ہوئی شے حلال ہے۔ اور آج کل عام طور سے عقد مطلق کیا جاتا ہے۔

مزید حوالجات جن سے اس ضابطہ کی تائید ہوتی ہے۔

۱۔ اعلم اذا اشتری رجل من الثمن الذی کان حصل له من بیع فاسدٍ أو وجهٍ حرامٍ فلا یخلومن ان یشتری شیئا و یعطی الثمن من

هذا المال فلا يكون المبيع حراما لان الثمن عند العقد كان فى ذمة المشترى والذمة لا يتمكن فيها الخبث والمال الذى دفعه دفعه لفراغ الذمة لا مقابلة له بالمبيع لان من المحال ان يكون لمبدل بدلان اعنى يكون للمبيع بدل على ذمة المشترى و بدل فى عين مال

(حاشیہ شرح وقایہ اخیرین ص۵۲)

۱- اما اذا اشار الى المال الخبيث واديت الثمن منها ايضا فتمكن الخبث فى المبيع البتة لاجتماع الاشارة والفعل جميعا ولم يبق لشبهة عدم التعيين مساغ (ایضا)

۲- هكذا قال الكرخى لان الاشارة اذا كانت لا تفيد التعيين لا بد ان يتاكد بالنقد ليتحقق الخبث (ایضا)

۳- اقول رأيت فى الطورى عن المحيط ولو اشترى بالدراهم المغصوبة طعاما حل التناول... وفى الطورى ايضا ولو اشترى بالثوب المغصوب جارية يحرم عليه وطؤها حتى يدفع قيمة الثوب الى صاحبه ولو اشتراها بالدراهم يحل وطؤها لفساده باستحقاق الثوب لتعلق البيع بعينه دون الدراهم... وفى الملتقى وشرحه ولو اشترى بالف الغصب أو الوديعة جارية تعدل الفين فوهبها او طعاما فاكله أو تزوج باحدهما امرأة أوسرية أو ثوبا حل الانتفاع ولا يتصدق بشئ اتفاقا لان الحرمة عند اتحاد الجنس۔ (رد المحتار کتاب الغصب)

ان حوالجات سے یہ بات صراحت سے معلوم ہوئی کہ حرام رقم سے جو شے خریدی جائے وہ خریدنے والے کے لیے جائز اور اس کا استعمال حلال ہے۔

## ہماری بات پر اعتراض

ردالمحتار میں ولوالجیہ سے نقل کیا ہے۔

وقال بعضهم لا يطيب فى الوجوه كلها وهو المختار (کتاب البیوع باب المتفرقات)

پھر رد المحتار ہی میں ہے۔

و نقل عن الحموی عن صدر الاسلام ان الصحیح لا یحل الاکل ولا الوطء لان فی السبب نوع خبث اھ (ص ۱۳۴ رد المحتار مطبوعہ کوئٹہ)

اسی طرح رد المحتار میں ہے۔

ومع ھذا لم یرتضہ الشارح فانی بقیل لما فی الھدایۃ قال مشایخنا لا یطیب قبل ان یضمن وکذا بعد الضمان بکل حال و ھو المختار لاطلاق الجواب فی الجامعین والمضاربۃ ای کتاب المضاربۃ من المبسوط

(ص ۱۳۳ رد المحتار مطبوعہ کوئٹہ)

اعتراض یہ ہوا کہ امام کرخی رحمہ اللہ کا جو قول تم نے اختیار کیا ہے وہ اوّل تو مختلف فیہ ہے۔ پھر جو مختار قول ہے وہ اس کے خلاف ہے

## اعتراض کا جواب

ہمیں اس سے اختلاف نہیں ہے کہ حرمت کا قول ہی دلائل کے اعتبار سے اور عام حالت میں قول مختار ہے۔ لیکن اب جبکہ حرام کی بڑی کثرت ہے تو قول مختار کو لینے میں بڑا حرج ہے جیسا کہ اُوپر بیان کیا گیا۔ اور یہ حرج ہی کی وجہ ہے کہ ہمارے زمانے سے بہت پہلے جبکہ گمان غالب تو یہ ہے کہ حرام کی اتنی کثرت نہیں ہوگی جتنی کہ آج پائی جارہی ہے۔ امام کرخی رحمہ اللہ کے قول کو فتوٰی کے لیے اختیار کیا گیا جیسا کہ

تتارخانیہ سے رد المحتار میں نقل کیا لکن الفتوی الآن علی قول الکرخی دفعا للحرج عن الناس،

اور ولوالجیہ سے رد المحتار میں نقل کیا لکن الفتوی الیوم علی قول الکرخی دفعا للحرج لکثرۃ الحرام اور نتائج الافکار میں ہے۔ قال فی الذخیرۃ قال مشائخنا الفتوی الیوم علی قول الکرخی لکثرۃ الحرام دفعا للحرج عن الناس وعلی ھذا تقرر ا ای صدر الشریعۃ وشمس الائمۃ السرخسی

---

ے امام کرخی رحمہ اللہ کے قول کے برخلاف دوسرے قول کو جن حضرات نے مختار کہا تو اس کی وجہ یہی معلوم ہوتی ہے کہ ان حضرات کے نزدیک ابھی اس درجہ حرام کی کثرت نہیں ہوئی ہوگی کہ ظاہر روایت کے قول کو ترک کیا جائے۔

علاوہ ازیں رد المحتار میں ہے۔ (قولہ قیل و بہ یفتی) قالہ فی الذخیرۃ وغیرھا کما فی القہستانی ومشی علیہ فی الغرر و مختصر الوقایہ والاصلاح و نقلہ فی الیعقوبیۃ عن المحیط۔

اور بعض صورت میں تو شمس الائمہ الحلوانی رحمہ اللہ بھی اس کے قائل ہیں۔ قال الحلوانی انما یطیب اذا نوی ان لا ینقد منہا ثم بدالہ فنقد۔ (ص ۱۳۳/۵ رد المحتار مطبوعہ کوئٹہ)

صاحب تنویر الابصار کے بارے میں رد المحتار میں ہے۔ وعلی ھذا مشی المصنف فی کتاب الغصب تبعًا للدرر وغیرھا (ص ۲۴۴/۴ رد المحتار)

غرض بڑے بڑے اصحاب نے امام کرخی رحمہ اللہ کے قول کو اختیار کیا ہے۔ علامہ شامی رحمہ اللہ تو یہاں تک لکھتے ہیں لکن لا یخفی انھما قولان مصححان (ص ۱۳۳/۵ رد المحتار)

اور صاحب درمختار لکھتے ہیں۔ ھذا کلہ علی قولھما وعند ابی یوسف لا یتصدق بشئ منہ کما لو اختلف الجنس اور اس کے تحت علامہ شامی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔ قال الزیلعی وھذا الاختلاف بینھم فیما اذا صار بالتقلب من جنس ما ضمن بان ضمن دراھم مثلًا وصار فی یدہ من بدل المضمون دراھم ولو طعام أو عروض لا یجب علیہ التصدق بالاجماع لان الربح انما عند اتحاد الجنس ومالم یصر بالتقلب من جنس ما ضمن لا یظھر الربح اھ (ص ۱۳۳/۵ رد المحتار)

**تنبیہ:** ہمارا قول حرام مال سے خریدی ہوئی شے مشتری کے لیے حلال و مباح ہے" اس میں مشتری کے لیے کے الفاظ قید احترازی نہیں ہیں بلکہ اتفاقی ہیں اور اس وجہ سے شامل کیے گئے ہیں کہ فقہی عبارتوں میں یونہی ذکر ہے۔

## وہ بائع جس نے حرام مال کے عوض اپنی شے فروخت کی اس کے حق میں اس مال کی حیثیت

بائع کے حق میں اس مال کی حیثیت کے بارے میں ہمیں کوئی تصریح نہیں ملی، لیکن غور کرنے سے اس میں دو احتمالات نکلتے ہیں۔

**پہلا احتمال:** جیسے مشتری کے لیے یہ رقم حرام تھی۔ ایسے ہی قیمت کے طور پر لینے کے بعد

بائع کے حق میں بھی وہ رقم حرام ہو، لیکن جیسے مشتری کے لیے اس سے خرید کردہ شے حلال ہوتی اسی طرح بائع کے لیے بھی اس رقم سے اس کی اپنی خرید کردہ شے حلال ہو، اور یہ سلسلہ اسی طرح چلتا رہے۔

اس احتمال پر اگرچہ بائع کے لیے حرام مال کو جانتے بوجھتے لینا جائز نہیں لیکن ضرورت کی بناء پر عدمِ جواز مرتفع ہوجاتے اگر یہ بات بھی ہو تو اس سے بھی ہمارا مقصود پورا ہوتا ہے، لیکن اس احتمال کے مقابلے میں دوسرا احتمال راجح ہے

**دوسرا احتمال:** بائع کے حق میں وہ رقم حلال ہو۔

**پہلی دلیل:** درمختار میں ہے۔

"فان مات احدهما رای بعد البیع الفاسد) فالمشتری احق بالثمن من سائر الغرماء بل قبل تجهيزه فله حق حبسه حتى ياخذ ماله فياخذ المشترى دراهم الثمن بعينها لو قائمة و مثلها لو هالكة بناء على تعيين الدراهم فى البيع الفاسد و هو الاصح (على هامش رد المحتار ص۱۴۴ ج۴ مطبوعہ کوئٹہ)

و فى رد المحتار: وتتعين فى الامانات والهبة و فى الصدقة والشركة والمضاربة والغصب وفى الهداية: وليس للبائع فى البيع الفاسد ان ياخذ المبيع حتى يرد الثمن لان المبيع مقابل... وان مات البائع فالمشترى احق به حتى يستو فى الثمن لانه يقدم عليه فى حياته وكذا على ورثته وغرمائه بعد وفاته كالراهن - ثم ان كانت دراهم الثمن قائمة ياخذ بعينها لانها تتعين فى البيع الفاسد وهو الاصح لانه بمنزلة الغصب وان كانت مستهلكة اخذ مثلها لما سنا

ان کے ساتھ بہشتی زیور کا یہ اقتباس بھی ملا لیجیے۔

"بیع فاسد کا حکم یہ ہے کہ جب تک خریدنے والی کے قبضے میں نہ آجاوے تب تک وہ خریدی ہوئی چیز اس کی ملک میں نہیں آتی اور جب قبضہ کر لیا تو ملک میں تو آگئی، لیکن حلال طیب نہیں ہے اس لیے اس کو کھانا پینا یا کسی اور طرح سے اپنے کام میں لانا درست نہیں، بلکہ ایسی بیع کا توڑ دینا واجب ہے۔ لینا ہو تو پھر سے بیع کریں اور مول لیویں۔ اگر یہ بیع نہیں توڑی بلکہ کسی اور کے ہاتھ وہ چیز بیچ ڈالی تو گناہ ہوا، اور اس دوسری خریدنے والی کے لیے اُس کا کھانا پینا اور استعمال کرنا جائز ہے... الخ"

دیکھیے باوجودیکہ دراہم متعیّن تھے اور واجب الرّد تھے کیونکہ بیع فاسد کا فسخ واجب ہے، لیکن جب بائع ان کو خرچ کر چکا ہو تو بائع کے ذمّے ان کے مثل واجب ہوتے ہیں۔ بائع کے ذمّے مثل واجب ہو۔ بائع مثل ادا کر دے تو کیا وہ متعین دراہم ہو وہ آگے اپنے بائع کو دے چکا ہے۔ پھر بھی واجب الرّد اور حرام رہیں گے؟ یہ ممکن نہیں۔

اگر یہ کہا جائے کہ بیع فاسد میں دراہم پر قبضہ کرنے سے ملکیت آجاتی ہے جبکہ کسب حرام میں ملکیت نہیں آتی تو جواب میں ہم کہتے ہیں کہ دونوں میں اس حد تک اشتراک کہ دونوں صورتوں میں مقبوضہ دراہم واجب الرد ہوتے ہیں اور ہلاکت واستہلاک کے وقت ان کے مثل کا ضمان واجب ہوتا ہے۔ ہمارے مقصد کو پورا کرتا ہے، جبکہ ملکیت کا ثبوت وعدم ثبوت اس مسئلے میں کچھ مؤثر نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ شرح وقایہ اخیرین کے حاشیہ میں ہے۔

اعلم اذا اشتری رجل من الثمن الذی کان حصل له من بیع فاسد او وجه حرام فلا یخلو... الخ

حاصل یہ ہوا کہ مکتسبِ حرام پر واجب تھا کہ وہ بعینہٖ وہی حرام آمدنی اصل مالک کو واپس کرے یا مالک کو رد کرنے کے متعذر ہونے کی صورت میں فقراء پر صدقہ کرے لیکن جب اس نے اس رقم کو اشیاء خرید کر ہلاک کر دیا تو اس کے ذمّے اس رقم کی مثل کا ضمان آگیا۔ اس کے ذمّے مثل کا ضمان بھی ہو اور اس کے بائع کے ذمّے وہ رقم واجب الرد یا واجب التصدق بھی ہو یہ دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں لہٰذا مکتسبِ حرام کے ذمّے تو مثل کا ضمان واجب ہوگا اور اس کے بائع کے پاس حاصل شدہ رقم حلال ہو جائے گی۔

## دوسری دلیل

درمختار میں ہے۔

انما طاب للبائع ما ربح فی الثمن ..... لان الثمن فی العقد الثانی غیر متعین ولا یضر تعیینه فی الاوّل کما افاده السعدی لا یطیب للمشتری ما ربح فی مبیع یتعین بالتعیین بان باعه بازید لتعلق العقد بعینه فتمکن الخبث۔

اور رد المحتار میں ہے "والفرق بین طیب الربح للبائع لا للمشتری وهو ان ما

یتعین بالتعیین یتعلق العقد به فتمکن الخبث فیه والنقد لایتعین فی عقود المعاوضة فلم یتعلق العقد الثانی بعینه فلم یتمکن الخبث فلا یجب التصدق کما فی الهدایة وانما لم یتعین النقد لان ثمن المبیع یثبت فی الذمة بخلاف نفس المبیع لان العقد یتعلق (ص۱۴۵ ج۴ ردالمحتار)

وجہ استدلال یہ ہے کہ جس کے ذمّے دراہم واجب الرد تھے۔ اُس نے جب بلا تعیین اُن کا استہلاک کیا یعنی مثلاً عقد مطلق کے ساتھ کوئی شے خرید کر وہ دراہم قیمت میں ادا کر دیے تو اس کے ذمّے ضمان آگیا۔

## تیسری دلیل

امام کرخی رحمہ اللہ کے قول کو فتوی کے لیے اختیار کرنے والوں نے ایسا لوگوں سے دفع حرج کے لیے کیا مکتسبِ حرام کیلیے خریدنا اور خریدی ہوئی شے سے انتفاع صرف اسی وقت ممکن ہے جب اس کے بائع کے لیے حاصل ہونے والی قیمت حلال ہو۔ اگر وہ قیمت اس کے لیے حرام ٹھہرتی ہو تو وہ آخر اپنی شے مکتسبِ حرام کے ہاتھ کیوں فروخت کریگا اور اگر فروخت کر بیٹھے گا تو اس کے فسخ کے درپے ہوگا۔ تاکہ حرام رقم سے خلاصی حاصل کرے اور اپنی شے کا نقصان بھی نہ ہو۔ اس صورت میں یہ فتوٰی[1] غیر مفید اور لاحاصل ہوگا جو کہ قبیح ہے۔

---

[1] بعض حضرات کا خیال ہے کہ امام کرخی رحمہ اللہ کے قول پر مشتری کے لیے تو جواز کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، لیکن بائع کے لیے جب کہ اس کو معلوم ہو کہ ثمن مال خبیث یا مال مغصوب و مسروق ہے ـــــ اس کا طیب ہونا معلوم نہیں ہوتا۔ ان حضرات کا کہنا ہے کہ بائع کے لیے ایسے ثمن کے طیب نہ ہونے کے باوجود امام کرخی رحمہ اللہ کے فتوی کی افادیت باقی رہتی ہے کیونکہ مشتری کے ذمّہ یہ واجب نہیں۔ (بلکہ عادتاً یہ بتایا بھی نہیں جاتا) کہ اس نے یہ ثمن کہاں سے حاصل کیا ہے۔ جب مشتری پر یہ بتانا ضروری نہیں تو بائع کے لیے عدم علم کی وجہ سے ایسے ثمن کی وصولی کی گنجائش پیدا ہوگئی اور مشتری کے لیے تو امام کرخی رحمہ اللہ کے نزدیک فی الجملہ پہلے ہی وسعت تھی تو اس فتوی کی افادیت باقی رہی۔

ان حضرات کی بات کا جواب یہ ہے کہ ان کی بات کے مطابق امام کرخی رحمہ اللہ کے قول پر مشتری کو یہ فائدہ حاصل ہوا کہ اس نے بائع کو لاعلم رکھ کر اپنے لیے مبیع کو حلال و پاکیزہ بنا لیا اور بائع کو لاعلمی کی وجہ سے ثمن خبیث کو لینے کی گنجائش ہوئی، البتہ علم ہوتے ہوئے بائع کو ثمن خبیث لینا جائز نہیں ہے۔

لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ ثمن خبیث میں حلت و حرمت کی علت علم و عدم علم نہیں ہے بلکہ اس ثمن کا خبیث ہونا ہے اور وہ خبث دونوں حالتوں (یعنی علم و عدم علم) میں موجود ہے۔ عدم علم تو محض معذوری ہے۔ علم کے ہوتے ہوئے خبث کی وجہ سے بائع کے لیے اس ثمن کو لینا جائز نہیں ہے تو مشتری کے لیے کس دلیل سے جائز ہوگا کہ وہ بائع کو لاعلم رکھ کر خبیث و حرام مال اس کو دے۔ پھر یہ بھی دیکھیے کہ کسی نے بھی امام کرخی رحمہ اللہ کے فتوی کی بنیاد میں بائع کی لاعلمی کو شامل نہیں کیا اور خود فتوی بھی مطلق ہے۔ بائع کی لاعلمی کے ساتھ مقید نہیں ہے۔

حاصل یہ ہے کہ مکتسبِ حرام کے ذمے ہوگا کہ وہ جتنی رقم خرچ کر چکا اس کے بقدر ضمان ادا کرے یعنی یا تو مالک کو واپس کرے یا وہ متعذر ہو تو صدقہ کرے اور اس کے بائع کے لیے اس کے ہاتھ اپنی شے فروخت کرنا جائز ہے اور اس کے بائع کے لیے حرام مال میں سے حاصل شدہ قیمت حلال ہے۔

## تنبیہات

تنبیہہ نمبر ۱: مذکورہ بالا گزارشات سے ہمارا مقصد یہ نہیں ہے کہ ناجائز ذرائع آمدنی کو حلال کہیں۔ وہ تو حرام اور ناجائز ہی ہیں اور ان سے اجتناب اپنی جگہ پہ ضروری ہے اور ان میں ملوّث ہونے کا گناہ مستقل ہے۔

تنبیہہ نمبر ۲: جب خود مکتسبِ حرام کے لیے خرید کردہ شے حلال ہوگی تو دوسروں کے لیے وہ شے فی ذاتہ حلال ہوگی، لیکن لِغیرہٖ دوسروں کے لیے اس سے اجتناب لازم ہوگا، اور وہ یہ کہ اس کسب کی شفاعت دل میں باقی رہے اور مکتسبِ حرام کو تنبیہہ ہو۔

تنبیہہ نمبر ۳: وہ لوگ جن کا کام تو جائز ہو، لیکن اُن کو اُجرت ناجائز آمدنی سے ملتی ہو۔ ان میں دو صُورتیں ہیں۔

۱۔ یا تو ایسا کام ہو جو تعاون علی الاثم کے قبیل سے ہو۔ مثلاً بینک کا چوکیدار ہو۔ اس شخص کی آمدنی اور اس کے ساتھ مخالطت اور کھانے پینے کا وہی حکم ہے جو خود مکتسبِ حرام کے بارے میں بیان ہُوا۔

۲۔ یا ایسا کام ہو کہ اس میں تعاون علی الاثم نہ پایا جاتا ہو۔ مثلاً کسی مزدور یا قلی نے مکتسبِ حرام کا سامان اُٹھایا یا ٹیکسی والے نے اس کو کسی جائز جگہ پہنچایا تو ایسے لوگوں کے لیے وہ آمدنی حلال ہے اور اُن کی خرید کردہ اشیاء سے دوسروں کا انتفاع بھی ممنوع نہیں۔

بقیہ صبر و صلاۃ

ہوتا ہے۔

ارشاد ربّانی ہے "لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ"

کسی حال میں بھی تم نا اُمید نہ ہو اللہ کی رحمت سے

اللہ تعالیٰ ہمیں دینِ حق اور سُنّتِ نبوی پر صحیح معنوں میں عمل کرنے والا بنائے۔ آمین ثم آمین

# حاصلِ مطالعہ

مولانا نعیم الدّین صاحب، فاضل و مدرس جامعہ مدنیہ

## حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کرّم اللہ وجہہٗ کہنے کی وجہ؟

(حضرت تھانوی رحمہ اللہ سے) ایک مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ کرّم اللہ وجہہٗ کیوں مخصوص ہے فرمایا کہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے جو عمر ثانی سے مُلقّب ہیں یہ صیغہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نام کے ساتھ شائع کرایا تھا۔ اس لیے کہ خوارج آپ کے نام کے ساتھ سوّد اللہ وجہہٗ کہا کرتے تھے، یہ میں نے بعض اہلِ علم سے سُنا ہے۔[1]

## اخلاص و للّٰہیت

حضرت علی کرّم اللہ تعالیٰ وجہہٗ کا واقعہ مشہور ہے کہ آپ ایک کافر کے قتل کرنے کے واسطے اس کے سینہ پر چڑھ بیٹھے اُس نے آپ کے چہرۂ مُبارک پر تھوک دیا آپ فوراً اُتر پڑے اور اُس کو چھوڑ دیا۔ اُس نے پُوچھا کہ آپ باوجود اس کے کہ مجھ پر غالب ہو گئے تھے اور میں پوری طرح آپ کے قبضہ میں آ گیا تھا۔ پھر گستاخی بھی سخت کی باوجود ان مقتضیات کے پھر کیا وجہ پیش آئی کہ الگ ہو گئے اور قتل

---

[1] الافاضات الیومیہ ج ۱ ص ۲۵

نہیں کیا۔ فرمایا کہ تیرے تھوکنے سے پہلے تو میری نیت اللہ کے واسطے تجھ کو مارنے کی تھی اور جب تو نے تھوکا تو غصہ آگیا اور نفس نے کہا کہ جلدی اس گستاخ کا کام تمام کر دو تو اب نفس کی آمیزش ہوگئی۔ اگر قتل کرتا تو خالص اللہ کے لیے نہ ہوتا اس لیے مَیں نے چھوڑ دیا وہ یہ دیکھ کر مسلمان ہوگیا۔[1]

تیسری صدی ہجری میں خلفاء عباسیہ میں سے ایک خلیفہ المعتضد باللہ احمد کے دورِ خلافت میں ایک بزرگ گزرے ہیں۔ شیخ ابوالحسین احمد بن محمد نوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۲۹۵ھ) حضرت تھانوی رحمہ اللہ آپ کے اخلاص وللہیت، حق گوئی و بے باکی کا ایک واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ آپ

ایک بار ایک موقع پر چلے جا رہے تھے چلتے چلتے دجلہ کے کنارے نیچے دیکھا کہ شراب کے مٹکے کشتیوں سے اُتر رہے ہیں۔ پُوچھا کہ ان میں کیا ہے کشتی والے نے کہا کہ شراب ہے۔ خلیفۂ وقت معتضد باللہ کے لیے آئی ہے اور وہ دس مٹکے تھے، شیخ کو غصہ آیا اور کشتی والے کی لکڑی مانگ کر اُنھوں نے نو مٹکے یکے بعد دیگرے توڑ ڈالے اور ایک مٹکا چھوڑ دیا چونکہ یہ شراب خلیفہ کے لیے لائی گئی تھی اس لیے ان کا براہِ راست خلیفہ کے ہاں چالان کر دیا گیا۔ معتضد نہایت ہیبت ناک صورت میں بیٹھ کر اجلاس کیا کرتا تھا۔ لوہے کی ٹوپی اوڑھتا اور لوہے کی زرہ اور لوہے کا گرز ہاتھ میں ہوتا تھا اور لوہے کی کرسی پر بیٹھتا تھا۔ معتضد نے نہایت کڑک کر ہولناک آواز سے پُوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا۔ حضرت شیخ نے فرمایا کہ جو کچھ مَیں نے کیا آپ کو بھی معلوم ہے دریافت کرنے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ میں یہاں تک نہ لایا جاتا، معتضد یہ جواب سُن کر برہم ہُوا اور پُوچھا کہ تم نے یہ حرکت کیوں کی کیا تم محتسب ہو؟ شیخ نے فرمایا کہ ہاں محتسب ہوں خلیفہ

---

[1] وعظ ذم الھوٰی مشمولہ آدابِ انسانیت ص ۳۱

نے پوچھا کہ تم کو کس نے محتسب بنایا ہے؟ فرمایا کہ جس نے تجھ کو خلیفہ بنایا ہے خلیفہ نے پوچھا کہ کوئی دلیل ہے فرمایا کہ یَا بُنَیَّ اَقِمِ الصَّلٰوۃَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْہَ عَنِ الْمُنْکَرِ وَاصْبِرْ عَلٰی مَآ اَصَابَکَ (قائم کر نماز کو، حکم کر نیک باتوں کا اور روک لوگوں کو بُری باتوں سے اور اس سے جو تجھ کو تکلیف پہنچے اس پر صبر کر) معتضد یہ بیبا کی باتیں سُن کر متأثر ہوا اور کہا کہ ہم نے تم کو آج سے محتسب بنایا، مگر ایک بات بتاؤ کہ ایک مٹکہ تم نے کیوں چھوڑ دیا؟ فرمایا کہ جب مَیں نے نو مٹکے توڑ ڈالے تو نفس میں خیال آیا کہ اے ابوالحسین تُو نے بڑی ہمّت کا کام کیا کہ خلیفۂ وقت سے بھی نہ ڈرا مَیں نے اسی وقت ہاتھ روک لیا کیونکہ اس سے پہلے تو اللہ تعالیٰ کی رضا مندی کے لیے توڑے تھے، اگر اب توڑوں گا تو وہ نفس کے لیے ہوگا اس لیے دسواں مٹکا چھوڑ دیا۔"[1]

حضرت شیخ ابوالحسین نوری رحمۃ اللہ علیہ اپنے زمانہ کے اولیاءِ کبار میں سے تھے، انتہائی عبادت گزار اور صائم الدھر تھے۔ علّامہ قشیری رحمہ اللہ (م ۴۶۵) آپ کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔

"آپ ہر روز گھر سے اپنا کھانا ساتھ لے کر نکلتے اور راستے میں اسے خیرات کے طور پر دے دیتے اور مسجد میں جاکر ظہر تک نماز پڑھتے رہتے۔ پھر نکل کر دُکان کا دروازہ کھولتے اور روزہ رکھے رہتے، گھر والوں کو یہی خیال ہوتا کہ آپ بازار جاکر کھانا کھا لیتے ہیں اور بازار والوں کا خیال ہوتا کہ گھر سے کھا کر آتے ہیں ابتداء میں بیس سال اُن کی یہی حالت رہی۔"[2]

اس موقع پر راقم الحروف کو شیخ العالَم حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ (م ۱۳۳۹/۱۹۲۰ء) کے اخلاص و لِلّٰہیت کا ایک واقعہ یاد آیا، مناسب معلوم ہوا کہ وہ بھی نذرِ قارئین کر دیا جائے تاکہ اُنھیں معلوم ہو جائے کہ ہمارے اکابر رحمہم اللہ اخلاص و لِلّٰہیت میں مکمل طور پر اپنے اسلاف کے نقشِ قدم پر

---

[1] وعظ ذم الہوٰی ص ۳۰

[2] رسالہ قشیریہ مترجم ص ۶۳

تھے ، لیجیے ملاحظ فرمائیے حضرت تھانوی رحمہ اللہ تحریر فرماتے ہیں۔

"ایک بار احقر کی درخواست پر مدرسہ جامع العلوم کانپور کے جلسۂ دستار بندی میں رونق افروز ہوئے اور احقر کے بے حد اصرار پر وعظ فرمانے کا وعدہ فرمایا جامع مسجد میں وعظ شروع ہوا، جناب مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھیؒ بھی کانپور تشریف لائے ہوئے تھے۔ میرے عرض کرنے پر جلسہ میں تشریف لائے اور عین اثنائے وعظ میں تشریف لائے اُس وقت ایک بڑا عالی مضمون بیان ہو رہا تھا جس میں معقول کا ایک خاص رنگ تھا۔ ہم لوگ خوش ہوئے کہ ہمارے اکابر کی نسبت معقولات میں مہارت کم ہونے کا شُبہ آج جاتا رہے گا، اور سب دیکھ لیں گے کہ معقول کس کو کہتے ہیں، مولانا کی جوں ہی مولانا علی گڑھی پر پر نظر پڑی فوراً وعظ بیچ ہی میں سے قطع کر کے بیٹھ گئے۔ مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی بوجہ ہم درس ہونے کے بے تکلّف تھے اُنھوں نے دوسرے وقت عرض کیا کہ یہ کیا کیا یہی تو وقت تھا بیان کا۔ فرمایا ہاں یہی خیال مجھ کو آیا تھا اس لیے قطع کر دیا کہ یہ تو اظہارِ علم کے لیے بیان ہوا نہ کہ اللہ کے واسطے"۔[1]

## عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں

"بعض مؤرخین نے جھوٹی جھوٹی تواریخ لکھ کر شاہانِ اسلام کو بدنام کیا ہے، محض اپنے مصالح کی غرض سے ورنہ شاہانِ اسلام کی مراعاتِ عدل آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے۔ حضرت مولانا شیخ محمدؒ صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت عالمگیر کے نام کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے جیسے بہت ہی بڑے بزرگ کا

---

[1] ذکر محمود ص۵ حضرت تھانویؒ کا یہ رسالہ ماہنامہ انوارِ مدینہ ج۵ ش۸ میں مکمل شائع ہوگیا ہے۔

نام لیا کرتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ، عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت شاہ جہان بادشاہ کے زیادہ معتقد تھے، فرمایا کرتے تھے کہ شاہ جہان سلطنت کے زیادہ مناسب تھے ایک صاحب کو حضرت عالمگیرؒ پر کچھ تاریخی شبہات تھے۔ وہ حضرت مولانا شیخ محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے پیش کیے، مولانا نے سب شبہات کا جواب دیا اور فرمایا کہ حضرت عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کو بارہ ہزار حدیث کے متن یاد تھے اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی نسبت فرمایا ان کو چھ ہزار متن یاد تھے۔ متولی عبدالرحمٰن صاحب اُنھوں نے مولانا سے عرض کیا کہ حضرت کو کس قدر یاد ہیں فرمایا پھر جواب دوں گا، یہ مزید احتیاط کی بناء پر فرمایا، ایک ماہ کے بعد فرمایا کہ مجھ کو تین ہزار حدیث کے متن یاد ہیں۔"[1]

## ہم کو اللہ کی نماز ادا کرنی تھی وہ ادا کرلی

پروفیسر خلیق احمد نظامیؒ تحریر فرماتے ہیں

"سکندر (لودھی) جب تک بہار میں رہا پابندی کے ساتھ نماز جمعہ کے لیے حاضر ہوتا تھا، ایک مرتبہ اسے آنے میں دیر ہوگئی میاں مہدی حقانیؒ نے سلطان کا انتظار کیے بغیر جماعت کھڑی کرادی، جب نماز ختم ہوچکی تو بادشاہ پہنچا، جمالی نے سمجھ لیا کہ نماز ہوچکی ہے، لیکن درباری ذہنیت سے مجبور ہوکر نمازیوں سے مخاطب ہوکر کہنے لگے۔

"اے مردماں! بس ایں مقدار تاخیر نہ باید کرد (اے لوگو! کیا تم اتنی دیر انتظار نہیں کرسکتے تھے کہ کہ بادشاہ بیاید" بادشاہ تشریف لے آتے؟)

میاں مہدی حقانی، جمالی کی یہ تقریر سُن کر فوراً بولے:

"من نماز خدائے را گزرانیدم و گزاردیم" ہم کو اللہ کی نماز ادا کرنی تھی وہ ادا کرلی،

سکندر نے مولانا جمالی کو خاموش کردیا اور میاں مہدی سے کہا کہ آپ نے اچھا کیا کہ نماز ادا کرادی کوتاہی تو میری ہی ہے۔"[2]

---

[1] الافاضات الیومیہ ج ۱ ص ۲۸۹ [2] سلاطین دہلی کے مذہبی رجحانات ص ۴۵۷

# اِسلام کیا ــ اور ــ اِسلامی فکر کیا ہے؟

نتائجِ فکر و رشحاتِ قلم

حضرت مولانا ابو الکلام آزاد رحمہ اللہ
حضرت مولانا محمد عثمان فارقلیط رحمہ اللہ
حضرت مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ

ترتیب :
سید الملۃ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمہ اللہ
محدث، فقیہ، مؤرخ، مجاہد فی سبیل اللہ، مؤلف کتب کثیرہ
ناظم جمعیۃ علماء ہند

مکتبہ محمودیہ
جامعہ مدنیہ، کریم پارک لاہور
قیمت ۴۰ روپے

# دارالفکر اُردو بازار کراچی کی مطبوعات

(۱) موت کے عبرت انگیز واقعات : حضرت مولانا عبدالمؤمن فاروقیؒ ۱۶/-

(۲) قبر کی پہلی رات : جناب مولانا صوفی محمد اسمٰعیلؒ ۲۲/-

(۳) تکبّر اور فساد (دو ناپسندیدہ خصلتیں)
شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنیؒ ۱۲/-

(۴) علم حقیقتِ نبوّت ہے : خطیب الاُمّت حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ ۱۲/-

(۵) بغیر گھاٹے کی تجارت : حضرت مولانا سیّد محمد ارشد مدنی مدظلہٗ ۱۲/-

(۶) حسد اور بغض : 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۲/-

(۷) مصیبتوں کے اسباب اور اُن کا علاج: 〃 〃 〃 〃 〃 〃 〃 ۱۰/-

(۸) خزینہ دین ودُنیا : حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ دہلویؒ
جناب مولانا مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہٗ ۱۵/-

(۹) ٹی وی اور عذاب قبر (اضافہ شدہ) حضرت مولانا محمد یُوسف لدھیانوی مدظلہٗ
جناب مفتی عبدالرؤف سکھروی مدظلہٗ ۱۲/-

(۱۰) اورادِ رحمانی : حکیم الاُمّت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ۳۰/-

(۱۱) ذائقہ (کھانا پکانے کی بہترین کتاب) محترمہ خیرالنساء بہتر مرحومہ ۳۰/-

یہ کتابیں اور دیگر اسلامی مطبوعات ملنے کا مرکز

## مکتبہ رشیدیہ

عائشہؓ منزل بالمقابل مقدس مسجد اُردو بازار کراچی